انسانیت موت کے دروازے پر

مشاہیر عالم اپنے اوقاتِ وفات میں

امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد

ناشر:
تاج پبلشرز
۱۶۶۷ بیری والا باغ، دہلی ۶

انسانیت موت کے دروازے پر

امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد

قیمت : آٹھ روپے Rs. 8.00

تاج پبلشرز

۱۶۶/۷، بیری والا باغ، دہلی ۱۱۰۰۰۶

طباعت : لاہوتی فائن آرٹ پریس، ۱۱/۱، سوئیوالان، دہلی ۶

INSANIYAT MAUT KE DARWAZE PAR

By Maulana Abul Kalam Azad

دیباچہ

جس رسالہ یا اخبار کی عنانِ ادارت مولانا ابو الکلام آزاد جیسے مسلم الثبوت ادیب اور مفکّر کے ہاتھ میں ہو اسکی بلند پایگی اور معیاری حیثیت میں کسے کلام ہو سکتا ہے صحافتی دنیا میں جو شہرت "الہلال" کو حاصل ہے کم از کم ہندوستان میں تو اسکی نظیر پیش نہیں کی جا سکتی کیونکہ اس کے صفحات کو مولانا آزاد کے رشحات قلم کا شرف حاصل رہا ہے اس رسالہ کا سلسلۂ اشاعت اگرچہ بند ہو چکا ہے لیکن اسکے جسقدر فائل کہیں کہیں سرمایۂ محفوظ کے طور پر موجود ہیں ان کے مطالعہ سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ انکی ترتیب اور زنیاری میں کسقدر کدو کاوش اور تحقیق و تفحص سے کام لیا گیا ہے، ادبی، مذہبی اور سیاسی مسائل، ترقیات سائنس، مشرقی و مغربی حکماء کے افکار و آرا جدید نظریات، تفسیر، آیات غرض ہر قسم کے مضامین ان میں ملتے ہیں اور مضامین و عناوین کا تنوع مختلف اذواق کی تسکین کے لئے سامانِ وافر اپنے اندر رکھتا ہے یہ خصوصیات ہیں جو "الہلال" کی ہر اشاعت میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں اور جو اسے ملک کے دوسرے رسائل و جرائد سے ممتاز کرتی ہیں اور ان خصوصیات کی موجودگی میں یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ "الہلال" کے بلند معیار اور افادی حیثیت کی وسعت نے دنیائے صحافت میں انقلاب پیدا کر دیا ہے۔

"الہلال" کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں مولانا آزاد نے بعض مسلسل مضامین ایک ہی عنوان کے ماتحت شائع کرنیکا انتظام کیا ہے وہ مسلسل مضامین بیحد مفید اور پُر از معلومات ہیں ان میں سے ایک سلسلہ بعنوان "انسانیت موت کے دروازے پر" "الہلال" کے کئی صفحات پر پھیلا ہوا نظر آتا ہے جسے تاج پبلشرز دہلی کتابی صورت میں پیش کر رہا ہے اس سلسلہ مضمون کا مقصد مشاہیر کے انجام زندگی کا نقشہ پیش کرنا ہے جو لوگ دنیا میں مناصب و مراتب کی انتہائی بلندیوں پر پہنچ جاتے ہیں اور اپنے اوصاف و کمالات کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں جگہ پاتے ہیں۔ طبعی طور پر یہ معلوم کرنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے کہ انھوں نے داعی اجل کو کس طرح لبیک کہا اور قاصد مرگ کا استقبال کس طرح کیا۔ نیز ان کے الوداعی کلمات کیا تھے اس کتاب میں چالیس۴۰ مشہور شخصیتوں کے واقعات وفات پیش کئے گئے ہیں۔ جن میں سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

امام حسین علیہ السلام، عمرو بن العاص رضؓ، حجاج بن یوسف، امیر معاویہ اور امام شافعیؒ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

ان حضرات کے صرف وہی حالات پیش کئے گئے ہیں جن کا تعلق ان کے آخری لمحاتِ زندگی کے ساتھ ہے ان میں سب سے اہم بیان حضرت امام حسینؑ کے واقعۂ شہادت کا ہے چونکہ امام حسینؑ کے واقعۂ شہادت میں لوگوں کی عقیدت اور آپ کی عظمت و شہرت کے تصور نے کچھ ایسے حالات شامل کر دیئے ہیں جو تاریخی اعتبار سے محلِ نظر ہیں۔ اس لئے اس کے بیان و تذکرہ میں انتہائی تحقیق و تفتیش سے کام لیا گیا ہے اور صرف مستند تاریخی واقعات کو جمع کر کے معاملہ کے تمام حقیقی پہلو نمایاں کئے گئے ہیں۔ وہ حالات جن کی شہرت محض عقیدت و احترامِ امام کی تخلیق ہے۔ درج نہیں کئے گئے۔

اس طرح حجاج بن یوسف کی شخصیت بھی خاص توجہ کی محتاج تھی۔ چنانچہ اس کے حالات بھی ذرا تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں اس کے بیان کے صرف اس ایک فقرے میں کہ "جس گھاٹ ہزاروں مخلوق کو اپنے ہاتھوں اُتار چکا تھا خود اس میں کیسے اترا" اس کے انجام کی تمام کیفیت اور عبرت آموزی سمٹ کر آگئی ہے۔ باقی شخصیتوں کے واقعاتِ وفات کے بیان میں بھی یہی اندازِ بیان اختیار کیا گیا ہے اور کسی جگہ تحقیق و تفتیش اور صحتِ واقعات کی سعی کا رشتہ ہاتھ سے نہیں چھوڑا گیا۔

غرض یہ بصائر و حکم اور موعظت و عبرت کا ایک قابلِ قدر مرتب مجموعہ ہے اول تو حالات ہی ایسے دردناک اور عبرت آموز ہیں کہ ان کی اہمیت اسلوبِ بیان کی دل کشی کی محتاج نہیں لیکن اگر ان حالات کی نوعیت کے ساتھ اس طرزِ بیان کا بھی تصور شامل ہو۔ جو "الہلال" کا مابہ الامتیاز ہے پھر ان کے پڑھنے کے لئے کسی تعارف اور سفارش کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ کتاب "انسانیت موت کے دروازے پر،، کے تعارف کے لئے فقط اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ اس کے مندرجہ مضامین "الہلال" کی بیش بہا مجلدات سے ماخوذ ہیں اور ہم نے ان لوگوں کی بے تابانہ طلب کا جواب دینے کی طرف توجہ کی ہے جو وقت پر "الہلال،، کے فائل جمع نہ کر سکنے پر کفِ افسوس مَل رہے ہیں۔ اور ہر قیمت پر اس کی تحصیل کے لئے آمادہ ہیں۔

ناشر

فہرس

حضرت علیؓ

ایک مغربی شاعر لکھتا ہے "اگر تم ایک انسان کو اس کے تمام اوصاف و خصائل کی اصلی صورت میں دیکھنا چاہتے ہو تو انتظار کرو۔ اس وقت تک انتظار کرو جب موت کا دروازہ اس پر کھل جائے۔ اس وقت وہ سارے بناوٹی پردے ہٹ جائیں گے جو انسان اپنی حقیقی صورت پر ڈال لیتا ہے، اس کی روح موت کی دستک سنتے ہی سارے نقاب پھاڑ ڈالتی ہے اور بے حجاب ہو کر دنیا کے سامنے آجاتی ہے"۔ یہ بالکل صحیح ہے، انسان کی حقیقت کا بے پردہ معاینہ صرف اس کی زندگی کے آخری لمحوں ہی میں کیا جاسکتا ہے۔

ایک مرتبہ ہمیں خیال ہوا کہ اگر دنیا کے اکابر و مشاہیر کے صرف وہ حالات جمع کئے جائیں جن کا تعلق اِن کی زندگی کی آخری گھڑیوں سے ہے تو یہ اخلاق، حکمت اور موعظت کا نہایت عبرت انگیز مجموعہ ہوگا اور انسانی طبیعت اور اخلاق کے بے شمار نکتے ان سے حل ہو جائیں گے۔ چناں چہ اس خیال سے مشاہیرِ عالم کے حالات پر نظر ڈالی گئی اور جستجو و تحقیق کے بعد ایک ضخیم مجموعہ مرتب ہو گیا۔ اس میں تاریخِ اسلامی کے تمام اکابر

مشاہیر خلفائے راشدین سے لے کر علماء، حکماء تک آگئے ہیں۔ ان کے علاوہ عام مشاہیر عالم کی واردات وفات کا بھی کافی ذخیرہ ہے۔ بہ حیثیت مجموعی جب اس ذخیرے پر نظر ڈالی گئی تو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ وہی متفرق حالات جو اپنی انفرادی صورت میں کوئی خاص اثر نہیں رکھتے تھے، اب یکجا ہو کر تاریخ عالم کی مفید پر تاثیر اور قیمتی چیز بن گئے ہیں! آج ہم اس مجموعہ میں سے حضرت علی علیہ السلام کی وفات کے حالات شائع کرتے ہیں۔ آئندہ بھی اس کا سلسلہ جاری رہے گا۔ یہ یاد رہے کہ اس سلسلہ سے مقصود موت و قبل از موت حالات کا بجنسہٖ جمع کر دینا ہے۔ کسی طرح کی بحث مقصود نہیں ہے۔ البتہ حالات کے جمع کرنے میں پوری کاوش و جستجو کی گئی ہے۔

جنگ جمل کے بعد اسلامی خلافت کی نزاع دو شخصوں میں محصور ہو گئی تھی۔ امام علی بن ابی طالب اور معاویہ بن ابی سفیان۔ ان کے درمیان تیسری شخصیت عمرو بن العاص کی تھی اور اپنے سیاسی تدبّر کی وجہ سے غیر معمولی اہمیت رکھتی تھی۔

جنگ صفین نے مسلمانوں میں ایک نیا فرقہ خوارج کا پیدا کر دیا تھا۔ یہ اگرچہ تمام تر سیاسی اغراض و مقاصد رکھتا تھا لیکن مسلمانوں کے دوسرے سیاسی فرقوں کی طرح اس کے عقائد بھی دینی رنگ میں رنگے ہوئے تھے اس نے اپنا سیاسی مذہب یہ آیت قرار دیا تھا "اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ" یعنی حکومت کسی آدمی کی نہیں ہونی چاہیئے' دراصل تاریخِ اسلام کے خوارج موجودہ تمدن کے انارکسٹ تھے لہذا وہ کوفہ اور دمشق دونوں حکومتوں کے مخالف تھے۔

مکہ میں بیٹھ کر خارجیوں نے سازش کی۔ تین آدمیوں نے بیڑا اُٹھایا کہ پوری تاریخ اسلام بدل دیں گے اور اُنھوں نے بدل دی۔

عمرو بن بکیر تمیمی نے کہا "میں حاکم مصر عمرو بن العاص کو قتل کر دوں گا کیوں کہ وہ فتنہ کی متحرک رُوح ہے"۔

برک بن عبداللہ تمیمی نے کہا "میں معاویہ بن ابی سفیان کو قتل کر دوں گا کیوں کہ اس نے مصر میں قیصریت قائم کی ہے"

ایک لمحہ کے لئے خاموشی چھا گئی ۔ علی بن ابی طالب کے نام سے دل تھراتے تھے ۔ بالآخر عبدالرحمان بن ملجم مرادی نے مہر سکوت توڑ دی ۔ "میں علی کو قتل کروں گا"۔

ان ہولناک مہموں کے لئے ۱۷ رمضان کی تاریخ مقرر کی گئی ۔ پہلے دو شخص اپنی مہم میں ناکام رہے لیکن عبدالرحمان بن ملجم کامیاب ہوگیا ۔ اس اجمال کی تفصیل حسبِ ذیل ہے ۔

مکہ سے چل کر عبدالرحمان کوفہ پہنچا ۔ یہاں بھی خوارج کی ایک بڑی تعداد موجود تھی ۔ عبدالرحمان ان کے ہاں آتا جاتا تھا ۔ ایک دن قبیلہ تیم الرباب کے بعض خارجیوں سے اس کی ملاقات ہوگئی ۔ انہی میں ایک خوبصورت عورت قطام بنتِ شجنہ بن عدی بن عامر بھی تھی ، عبدالرحمٰن اس پر عاشق ہوگیا ، سنگ دل نازنین نے کہا ۔ "میرے وصل کی شرط یہ ہے کہ جو مہر میں طلب کروں وہ ادا کرو" ابنِ ملجم راضی ہوگیا ۔ قطام نے اپنا مہر یہ بتایا "تین ہزار درہم ایک غلام اور ایک کنیز اور علی کا قتل"۔

عبدالرحمان نے کہا "منظور مگر علی کو کیوں کر قتل کروں ؟"

خوں خوار معشوقہ نے جواب دیا "چھپ کر ۔ اگر تو کامیاب ہو کر لوٹ آئے گا تو مخلوق کو شر سے نجات دے گا اور اہل و عیال کے ساتھ مسرت کی زندگی بسر کرے گا ۔ اگر مارا جائے گا تو جنت اور لازوال نعمت حاصل کرے گا"

عبدالرحمان نے مطمئن ہو کر یہ شعر پڑھے ۔

ثلاثة آلاف وعبدا وقينة ... وضرب علي بالحسام المصمم

فلا مهر اغلى من علي وان غلا ... ولا فتك الا دون فتك ابن ملجم

(طبقات ابن سعد ۔ کامل للمبرد وغیرہ)

روایتوں سے ثابت ہے کہ حضرت علی کے قلب میں آنے والے حادثہ کا احساس پیدا ہو گیا تھا ۔ عبدالرحمان بنِ ملجم کی طرف جب دیکھتے تو محسوس کرتے کہ اس کے ہاتھ خون سے رنگین ہونے والے ہیں ۔ ابن سعد کی ایک روایت میں ہے کہ آپ فرماتے تھے "خدا کی قسم مجھے آں حضرت ؐ نے بتلایا ہے کہ میری موت قتل سے ہوگی"۔

عبدالرحمان بنِ ملجم دو مرتبہ بعیت کے لئے آیا مگر آپ نے لوٹا دیا۔ تیسری مرتبہ آیا تو فرمایا۔" سب سے زیادہ بدبخت آدمی کو کون چیز روک رہی ہے واللہ یہ چیز (اپنی ڈاڑھی کی طرف اشارہ کرکے) ضرور رنگ جانے والی ہے "۔

(ابن سعد)

کبھی کبھی اپنے ساتھیوں سے خفا ہوتے تو فرماتے " تمھارے سب سے زیادہ بدبخت آدمی کو آنے اور میرے قتل کرنے سے کون چیز روک رہی ہے؟ خدایا! میں ان سے اُکتا گیا ہوں اور یہ مجھ سے اُکتا گئے ہیں۔ مجھے ان سے راحت دے اور انھیں مجھ سے راحت دے "

ایک دن خطبہ میں فرمایا۔" قسم ہے اُس پروردگار کی جس نے بیج اُگایا اور جان پیدا کی، یہ ضرور اس سے رنگ جانے والی ہے (اپنی داڑھی اور سر کی طرف اشارہ کیا) بدبخت کیوں انتظار کر رہا ہے "۔

لوگوں نے عرض کیا " امیرالمومنین! ہمیں اس کا نام بتاؤ۔ ہم ابھی اس کا فیصلہ کر ڈالیں گے "۔

فرمایا " تم تو ایسے آدمی کو قتل کرو گے جس نے مجھے ابھی قتل نہیں کیا ہے "۔

عرض کی گئی "۔ تو ہم پر کسی کو خلیفہ بنا دیجئے "۔ فرمایا۔" نہیں میں تمھیں اسی حال میں چھوڑ جاؤں گا۔ جس حال میں تمہیں رسولؐ چھوڑ گئے تھے "۔

لوگوں نے عرض کیا۔" اس صورت میں آپ خدا کو کیا جواب دیں گے " فرمایا " کہوں گا خدایا میں ان میں تجھے چھوڑ آیا ہوں۔ تو چاہے تو ان کی اصلاح کرے اور چاہے انہیں بگاڑ دے "۔

(مسند امام احمد ۔ مسند علی)

حادثہ سے پہلے

آپ کی کنیز اُمِ جعفر کی روایت ہے کہ واقعۂ قتل سے چند دن پہلے میں آپ کے ہاتھ دُھلا رہی تھی کہ آپ نے سر اُٹھایا پھر داڑھی ہاتھ میں لی اور فرمایا " حیف تجھ پر تو خون سے رنگی جائے گی "۔

(ابن سعد)

مخلوق میں رہنے کے برابر ہے، وہ مخلوق جس سے میں ڈرتا ہوں؟" یہ کہتے ہی رُوح پرواز کر گئی۔
۲۰۹ھ (۸۲۴ء) میں وفات پائی

سیبویہ امام نحو

مشہور نحوی سیبویہ نے وفات کے وقت یہ شعر پڑھا:

یوم الدنیا القبتی لہا   فسمات المومل قبل الامل

آرزو کرنے والے نے آرزو کی کہ دنیا ہمیشہ باقی رہے۔ لیکن آرزو سے پہلے ہی آرزو کرنے والا مر گیا

یہ کہہ کر بے ہوش ہو گئے۔ سر بھائی کے زانو پر تھا۔ وہ رُونے لگے۔ انھوں نے آنکھ کھول دی۔ اُن کے آنسو دیکھ کر کہا۔

وکنا جمیعنا فرق الدھر بیننا   الی الامل الانعق ضمن یامن الدھر

ہم سب ساتھ تھے، زمانے نے ہمیشہ کے لئے جدا کر دیا۔ پس زمانے پر کون بھروسہ کر سکتا ہے۔
۱۸۶ھ (۸۰۲ء) میں وفات پائی۔

حضرت امام شافعی رح

امام مزنی کہتے ہیں۔ جس دن حضرت امام شافعی رح نے انتقال کیا اس کی صبح کو میں عیادت کے لئے حاضر ہوا تھا۔

"مزاج کیسا ہے؟" میں نے سوال کیا۔

اُنھوں نے ٹھنڈی سانس لی۔

"دُنیا سے جا رہا ہوں۔ دوستوں سے جدا ہو رہا ہوں۔ موت کا پیالہ منہ سے لگا ہے۔ نہیں معلوم کہ میری رُوح جنت میں جائے گی کہ اسے مبارک باد دوں۔ یا دوزخ میں جائے گی کہ اسے تعزیت پیش کروں۔"

پھر یہ شعر پڑھے:۔

ولما قسا قلبی وضاقت مذاهبی	جعلت الرجا منی لعفوك سلما

اپنے دل کی سختی اور اپنی بے چارگی کے بعد میں نے تیری عفو پر اپنی امید کو سہارا بنایا ہے

تعاظمنی ذنبی فلما قرنته	بعفوك ربی کان عفوك اعظما

میرا گناہ میری نظر میں بہت ہی بڑا تھا۔ مگر جب تیرے عفو کے مقابلے میں اُسے رکھا تو اے رب! تیرا عفو زیادہ بڑا نکلا

مامون الرشید

نزع کے وقت جاحظ عیادت کو حاضر ہوا۔ کسی جانور کی کھال کا بچھونا بچھا تھا۔ بچھونے پر ریت پڑی تھی۔ اور خلیفہ ریت پر لوٹ رہا تھا۔ یہ الفاظ زبان پر تھے۔

"اے وہ جس کی بادشاہی کبھی زائل نہ ہوگی۔ اس پر رحم فرما جس کی بادشاہی جارہی ہے، اے وہ جو کبھی نہ مرے گا، اس پر رحم کر جو مر رہا ہے"

جاحظ نے کہا "خدا امیر المومنین کا ثواب زیادہ کرے اور تندرستی بخشے!"

"میری تندرستی کی دُعا نہ کرو" مامون نے فوراً کہا "بلکہ میرے لئے مغفرت کی دعا کرو" پھر کہا "خداوندا تو نے ہمیں حکم دیئے اور ہم نے نافرمانی کی تو مجھے بخش دے کیونکہ تو بڑا ہی رحیم ہے" اس پر روح پرواز کر گئی۔ ۲۱۸ھ (۸۳۳ء) میں وفات پائی۔

حکیم ابوالعتاہیہ

مشہور زاہد و حکیم ابوالعتاہیہ سے موت کے وقت پوچھا "کوئی خواہش باقی ہے" کہا "ہاں! میری خواہش یہ ہے کہ مغنی "مخارق" آئے۔ اور میرے سرہانے میرے یہ شعر گائے"

اذا انقضت منی من الدهر علاتی	فان عزاء الباکیات قلیل

جبکہ دنیا میں میری زندگی کی مدت ختم ہو چکی ہے تو رونے والوں کی تعزیت بھی بہت کم ہے

سیعرض عن ذکری وتنسی مودتی	ویحدث بعدی للخلیل خلیل

سب میرے خیال سے منہ پھیر لیں گے، میری نسبت بھول جائیں گے۔ میرے بعد بھی دوست اپنے دوستوں سے باتیں کریں گے ۲۲۱ھ (۸۳۵ء) میں انتقال کیا۔

خلیفہ واثق باللہ

خلیفہ واثق باللہ نے مرتے وقت یہ شعر پڑھے۔

الموت فیہ جمیع الناس تشترک لا سوقتہ منھم یبقیٰ ولا ملک

موت میں سب برابر کے شریک ہیں۔ نہ بازاری لوگ بچیں گے نہ بادشاہ ہی زندہ رہیں گے

ما ضر اھل قلیل فی مقابرھم ولیس یغنی عن الملاک ملوک

غریبوں کو اُن کی قبر میں غربت نے کوئی نقصان نہ پہنچایا نہ امیروں کو، ان کی امیری بھی کوئی نفع پہنچائے گی

پھر حکم دیا "فرش اٹھا دیا جائے"۔ فوراً تعمیل کی گئی، خلیفہ نے اپنا رخسار زمین پر رکھ دیا اور چلّایا۔

"اے وہ جس کی بادشاہی لازوال ہے۔ اس پر رحم کر جس کی بادشاہی ختم ہوگئی" یہ کہتے ہی انتقال ہوگیا۔ ۲۳۲ھ۔ (۸۴۶ء) وفات ہوئی۔

خلیفہ منتصر باللہ

خلیفہ محمد منتصر باللہ ایک دن دیبا کے فرش پر بیٹھا تھا۔ اتفاق سے اس کی نظر ایک فارسی عبارت پر پڑ گئی جو فرش پر کندہ تھی۔ خلیفہ نے اُسے پڑھوایا تو لکھا تھا۔

"میں شیرویہ بن کسریٰ نے اپنے باپ کو قتل کیا۔ اس کے بعد بادشاہی سے کوئی تمتع حاصل نہ کر سکا"

خلیفہ کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ فوراً ہی مجلس سے اُٹھ گیا، چند ہی روز بعد بیمار پڑا اور زندگی سے مایوس ہوگیا۔ ماں عیادت کو آئی تو خلیفہ نے کہا "دنیا اور آخرت دونوں

میرے ہاتھ سے نکل گئے۔ میں نے باپ کی موت میں جلدی کی لہٰذا میری موت میں بھی جلدی کی گئی"۔ پھر یہ شعر پڑھا۔

فما فرحت نفسی بدنیا اصبتھا — ولکن الی اللہ الکریم اصیر

دنیا کے حاصل ہو جانے سے میری رُوح کو کوئی خوشی نصیب نہ ہوئی۔ اب میں خدا کی طرف جا رہا ہوں

امام جاحظ

ادب عربی کے مشہور امام جاحظ کا جب وقت آخر ہوا تو ابوالعباس المبرد عیادت کو گیا۔

مزاج پرُسی کے جواب میں جاحظ نے کہا۔

"وہ شخص کیسا ہو گا جس کا آدھا دھڑ سُن ہو گیا ہو، حتیٰ کہ اگر آرے سے بھی چیر دیا جائے تو اُسے پتہ نہ چلے، اور آدھا دھڑ اتنا حساس ہو گیا ہو کہ اگر مکھی بھی اس کے قریب اُڑے تو درد محسوس کرنے لگے"

اترجوان تکون وانت شیخ — کما قد کنت ایام الشباب

کیا تو آرزو کرتا ہے کہ اب بڑھاپے میں بھی ایسا ہو جائے جیسا کہ جوانی کے دنوں میں تھا

لقد کذبتک نفسک لیس ثوب — کالجدید من الثباب

تیرا نفس جھوٹا ہے۔ پرانا کپڑا نئے کپڑے کی طرح کیوں کر ہو سکتا ہے

۲۵۵ھ (۸۶۸ء) میں انتقال کیا۔

خلیفہ معتضد باللہ

سولھواں عباسی خلیفہ معتضد باللہ سخت ظالم و مستبد تھا۔ وفات کے وقت اس نے اپنا مرثیہ یوں پڑھا:۔

تمتع من الدنیا فانک لا تبقی ! — وخذ صفوھا ما ان صفت ودع الرنقا

دنیا سے لطف اُٹھالے کیوں کہ تو باقی نہیں رہے گا۔ اس کی بھلائی لے اور برائی چھوڑ دے۔

ولاتامن الدھر الذی قد امنته
فلم یبق لی حالاً ولم یرع لی حقا

اس دنیا پر بھروسہ نہ کرنا۔ جس پر میں نے بھروسہ کیا تھا۔ دیکھ اس نے مجھ سے بیوفائی کی اور کسی حق کا بھی خیال نہ کیا۔

قتلت صنادید الرجال ولم ادع
عدواً ولم امھل علی طغیه خلقا

میں نے بڑے بڑے بہادر مارے کوئی دشمن نہ چھوڑا۔ کسی کو بھی اس کی سرکشی پر باقی نہ رہنے دیا

واخلیت دار الملك من کل نازع
فشرقتھم غرباء ومزقتھم شرقا

میں نے پایہ تخت کو تمام مخالفوں سے خالی کر دیا۔ اُنھیں پراگندہ کر کے مشرق و مغرب میں پھیلا دیا۔

فلما بلغت النجم عزاً ورفعته
وصارت رقاب الخلق اجمع لی رقا

لیکن جب میں اپنی عزت و رفعت میں ستاروں تک پہنچ گیا اور تمام مخلوق کی گردنوں میں میری غلامی کا طوق پڑ گیا

رمانی الردی سھماً، فاخمد جمرتی
فھا انا ذا فی حفی عاجلاً القی

تو ایسا ہوا کہ موت نے مجھ پر ایک تیر چلایا اور میری آگ بجھا دی۔ دیکھ اب میں عنقریب ہی اپنے گڑھے میں ڈالا جانے والا ہوں۔

ولم یغن عنی ما جمعت والم اجد
لذی ملل منھما ولا راغب رفقا

میرے جمع کئے ہوئے خزانے میرے کام نہ آئے۔ دولت سے بیزار ہونے والے اور دولت کے لالچی کسی نے بھی ہمدردی نہ کی۔

فیا لیت شعری بعد موتی ما القی
ام نعم الرحمٰن ام نارہ القی!

آہ کاش میں کیا جانوں، موت کے بعد اللہ تعالیٰ کی نعمتیں پاؤں گا، یا دوزخ میں جھونک دیا جاؤں گا۔

۲۸۹ھ (۹۰۲ء) میں انتقال کیا۔

تمت بالخیر

اعلیٰ اور معیاری مطبوعات کا انتخاب

کتاب	مصنف		قیمت
قرآن الحکیم (حمائل) (ترجمہ و مکمل تفسیر بیان القرآن)	مولانا اشرف علی تھانویؒ	ہدیہ	۱۶۰ روپے
تفسیر مکمل بیان القرآن	″	مجلد ہاف چرمی دو جلدیں	۲۵۰ روپے
تبویب تربیت السالک	″	مجلد جزو اول و دوئم	۱۰۰ روپے
اعمالِ قرآنی	″		۱۰ روپے
اصلاح الرسوم	″		۸ روپے
حیات المسلمین	″		۸ روپے
رحمتِ عالم	سید سلیمان ندوی		۸ روپے
المنجد (عربی اُردو لغت)		مجلد ہاف چرمی	۱۲۰ روپے
مکتوباتِ نبوی	مولانا سید محبوب رضوی		۲۰ روپے
آمنہ کا لال	علامہ راشد الخیری		۵ روپے
سیّدہ کا لال	″		۸ روپے
شہید اعظم	مولانا ابوالکلام آزاد		۵ روپے
انسانیت موت کے دروازہ پر	″		۸ روپے
خم خانۂ تصوّف	ڈاکٹر ظہور الحسن شارب		۲۵ روپے
دلّی کے بائیس خواجہ	″		۲۰ روپے
معین الہند	″		۱۵ روپے
تصوف کی باتیں	″		۱۰ روپے
تذکرۂ جلیل (سوانح حضرت مخدوم پاک صابر کلیریؒ)	حاکم علی پیرزادہ		۱۵ روپے
رضیہ کا شاہی دسترخوان	رضیہ سلطانہ چمن دہلوی		۱۵ روپے
غالب کی دلّی	سید ضمیر حسن دہلوی		۱۵ روپے

تاج پبلشرز

۱۶۶، بیری والا باغ، دہلی ۱۱۰۰۰۶

آپ کے بعض اصحاب کو بھی اس سازش کا پتہ چل گیا تھا۔ چنانچہ خود بنی مراد میں سے ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا " امیر المومنین ہوشیار رہیے۔ یہاں کچھ لوگ آپ کے قتل کا ارادہ کر رہے ہیں "

(الامامتہ والسیاسہ)

یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ کس قبیلہ میں سازش ہو رہی ہے چناں چہ ایک دن آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ ایک شخص نے آ کر عرض کی " ہوشیار رہیے۔ کیونکہ قبیلہ مراد کے کچھ لوگ آپ کے قتل کی فکر میں ہیں "

(ابن سعد)

یہ بھی واضح ہو گیا تھا کہ کون شخص ارادہ کر رہا ہے؟ اشعث نے ایک دن ابن ملجم کو تلوار لگائے دیکھا اور اس سے کہا " مجھے اپنی تلوار دکھاؤ " اس نے وہ تلوار دکھائی تو وہ بالکل نئی تھی۔ انھوں نے کہا " تلوار لگانے کی کیا وجہ ہے حالانکہ یہ زمانہ تو جنگ کا نہیں ہے " عبدالرحمن نے کہا " میں گاؤں کے اونٹ ذبح کرنا چاہتا ہوں " اشعث سمجھ گئے اور اپنے خچر پر سوار ہو کر حضرت علیؓ کے سامنے حاضر ہوئے اور کہا " آپ ابن ملجم کی جرأت و شجاعت سے واقف ہیں " آپ نے جواب دیا " لیکن اس نے مجھے ابھی تک قتل نہیں کیا ہے "

(الکامل)

ایک دن آپ مسجد میں خطبہ دے رہے تھے۔ ابن ملجم منبر کے پاس بیٹھا تھا۔ لوگوں نے سنا کہ وہ دانت پیس کر کہہ رہا ہے " واللہ میں انھیں تیرے شر سے نجات دے دونگا " امیر المومنین جب مسجد سے اپنے گھر لوٹے تو لوگ اسے گریبان سے پکڑ کر لائے اور تمام واقعہ سنایا۔ آپ نے فرمایا " لیکن ابھی تک اس نے مجھے قتل نہیں کیا ہے چھوڑ دو "

(الکامل)

ابن ملجم کا ارادہ اس قدر مشہور ہو گیا تھا کہ خود آپ بھی اسے دیکھ کر عمرو بن معدیکرب کا یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

اُرِیدُ حَیَاتَہٗ وَیُرِیدُ
عذیرک من خلیلک من مراد

ابن ملجم برابر برأت کیا کرتا تھا لیکن ایک دن جھنجھلا کر کہنے لگا " جو بات ہونے والی ہے ہو کر رہے گی "

اس پر بعض لوگوں نے کہا "آپ اُسے پہچان گئے ہیں، پھر اُسے قتل کیوں نہیں کر ڈالتے"۔ فرمایا "اپنے قاتل کو کیسے قتل کروں"۔ (کامل)

صُبحِ شہادت اقدامِ قتل جمعہ کے دن نمازِ فجر کے وقت ہوا۔ رات بھر ابن ملجم اشعث بن قیس کندی کی مسجد میں اس کے ساتھ باتیں کرتا رہا۔ اس نے کوفہ میں شبیب بن بجرہ نامی ایک اور خارجی کو اپنا شریک کار بنا لیا تھا۔ دونوں تلوار لے کر چلے اور اُس دروازے کے مقابل بیٹھ گئے جس سے امیر المومنین نکلا کرتے تھے۔

(ابن سعد

اس رات امیر المومنین کو نیند نہیں آئی۔ حضرت حسنؑ سے مروی ہے کہ سحر کے وقت میں حاضر ہوا تو فرمایا "فرزند رات بھر جاگتا رہا ہوں۔ ذرا دیر ہوئی بیٹھے بیٹھے آنکھ لگ گئی تھی۔ خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کی امت سے میں نے بڑی تکلیف پائی۔ فرمایا دُعا کر کہ خدا تجھے ان سے چھٹکارا دے دے۔ (کامل) اس پر میں نے دعا کی۔ خدایا مجھے اِن سے بہتر رفیق عطا فرما اور انھیں مجھ سے بدتر ساتھی دے۔ (ابنِ سعد)

حضرت حسن (علیہ السلام) فرماتے ہیں اُسی وقت ابن البناح مؤذن بھی حاضر ہوا اور پکارا "لوگو! (نماز) میں نے آپ کا ہاتھ تھام لیا آپ اُٹھے۔ ابن البناح آگے تھا۔ دروازے سے باہر نکل کر آپ نے پکارا "لوگو نماز"، روز آپ کا یہی دستور تھا کہ لوگوں کو نماز کے لئے مسجد میں جگاتے پھرتے تھے۔ (ابن سعد)

ایک اور روایت میں ہے کہ مؤذن کے پکارنے پر آپ اُٹھے نہیں لیٹے رہے۔ مؤذن دوبارہ آیا مگر آپ سے پھر بھی اٹھا نہ گیا، سہ بارہ اس کی آواز دینے پر بمشکل یہ شعر پڑھتے ہوئے مسجد کو چلے۔

اشدد حیازیمک للموت　　فان الموت لاقیکا

(موت کے لئے کمر کس لے، کیونکہ موت تجھ سے ضرور ملاقات کرنے والی ہے)

ولا تجزع من الموت　　واذا حل بوادیکا

(موت سے نہ ڈر۔ اگر وہ تیرے ہاں نازل ہو جائے)

(احیاء العلوم جلد ۴)

آپ جونہی آگے بڑھے دو تلواریں چمکتی نظر آئیں اور ایک آواز بلند ہوئی "حکومت خدا کی ہے نہ کہ علی تیری!" شبیب کی تلوار تو طاق پر پڑی۔ لیکن ابن ملجم کی تلوار آپ کی پیشانی پر پڑی اور دماغ تک اتر گئی۔ فُزْتُ بِرَبِّ الْکَعْبَہ

(ابن سعد)

زخم کھاتے ہی آپ چلائے "فُزْتُ بِرَبِّ الْکَعْبَۃ" (رب کی قسم میں کامیاب ہو گیا)

(احیاء۔ جلد ۴)

نیز پکارے قاتل جانے نہ پائے۔ لوگ ہر طرف سے ٹوٹ پڑے شبیب تو نکل بھاگا۔

(ابن سعد)

عبدالرحمٰن نے تلوار گھمانا شروع کر دی اور مجمع کو چیرتا ہوا آگے بڑھا۔ قریب تھا کہ ہاتھ سے نکل جائے لیکن مغیرہ بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب جو اپنے وقت کے پہلوان تھے دَوڑے اور بھاری کپڑا اس پر ڈال دیا اور زمین پر دے مارا۔

(الکامل)

قاتل اور مقتول

امیرالمومنین گھر پہنچائے گئے۔ آپ نے قاتل کو طلب کیا۔ جب وہ سامنے آیا تو فرمایا "او دشمنِ خدا! کیا میں نے تجھ پر احسان نہیں کئے تھے؟" اُس نے کہا "ہاں"۔ فرمایا "پھر تو نے یہ حرکت کیوں کی؟" کہنے لگا "میں نے اسے (تلوار) کو چالیس دن تیز کیا تھا اور خدا سے دعا کی تھی کہ اس سے اپنی بدترین مخلوق کو قتل کرائے" فرمایا "میں سمجھتا ہوں تو اسی سے قتل کیا جائے گا اور خیال کرتا ہوں تو ہی بدترین مخلوق ہے"

(طبری)

آپ کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم نے پکار کر کہا "او دشمن خدا! تو نے امیرالمومنین کو قتل کر ڈالا" کہنے لگا۔ "میں نے امیرالمومنین کو قتل نہیں کیا، البتہ تمہارے باپ کو قتل کیا ہے" انھوں نے خفا ہو کر کہا "واللہ میں امید کرتی ہوں امیرالمومنین کا بال بیکا نہ ہوگا" کہنے لگا "پھر کیوں آنسو بہاتی ہو!" پھر بولا "بخدا! میں نے مہینہ بھر اسے (تلوار کو) زہر پلایا ہے۔ اگر اب بھی یہ بیوفائی کرے تو خدا اُسے غارت کر دے"

(ابن سعد)

امیرالمومنین نے حضرت حسنؓ سے کہا "یہ قیدی ہے۔ اِس کی خاطر تواضع کرو، اچھا کھانا

دو۔ نرم بچھونا بچھادو۔ اگر زندہ رہوں گا تو اپنے خون کا سب سے زیادہ دعویدار میں ہوں گا قصاص لوں گا یا معاف کردوں گا۔ اگر مرجاؤں تو اسے بھی میرے پیچھے روانہ کردینا۔ رب العالمین کے حضور اس سے جواب طلب کروں گا۔" (ابن سعد)

"اے بنی عبدالمطلب! ایسا نہ ہو کہ مسلمانوں کی خوں ریزی شروع کردو اور کہو کہ امیرالمومنین قتل ہوگئے۔ خبردار میرے قاتل کے سوا کوئی دوسرا قتل نہ کیا جائے۔ اے حسن! اگر میں اس کی اس ضرب سے مرجاؤں تو ایسی ہی ضرب سے اُسے بھی مارنا۔ اس کے ناک کان کاٹ کر لاش خراب نہ کرنا کیوں کہ میں نے نبی صلعم کو فرماتے سُنا ہے کہ خبردار ناک کان نہ کاٹو اگرچہ وہ کتا ہی کیوں نہ ہو۔" (طبری)

ایک روایت میں ہے کہ فرمایا۔" اگر تم قصاص لینے ہی پر اصرار کرو تو چاہیئے کہ اسے اسی طرح ایک ضرب سے مارو جس طرح اُس نے مجھے مارا ہے۔ لیکن اگر معاف کردو تو یہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔" (کامل)

" دیکھو زیادتی نہ کرنا۔ کیوں کہ خدا زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔" (ابن سعد)

وصیت

پھر آپ بے ہوش ہوگئے۔ جب ہوش میں آئے تو جندب بن عبداللہ نے حاضر ہوکر کہا۔ خدانخواستہ اگر ہم نے آپ کو کھودیا تو کیا حسن کے ہاتھ پر بیعت کریں ؟" آپ نے جواب دیا۔" میں تمھیں نہ اس کا حکم دیتا ہوں نہ اس سے منع کرتا ہوں، اپنی مصلحت تم بہتر سمجھتے ہو۔" (طبری)

پھر اپنے صاحبزادوں حسنؓ اور حسینؓ کو بلا کر فرمایا۔" میں تم دونوں کو تقوئے الٰہی کی وصیت کرتا ہوں اور اس کی کہ دنیا کا پیچھا نہ کرنا اگرچہ وہ تمھارا پیچھا کرے۔ جو چیز تم سے دُور ہوجائے اس پر نہ کڑھنا۔ ہمیشہ حق کہنا۔ یتیم پر رحم کرنا۔ بیکس کی مدد کرنا۔ آخرت کے لئے عمل کرنا۔ ظالم کے دشمن بننا۔ مظلوم کے حامی بننا۔ کتاب اللہ پر چلنا۔ خدا کے باب میں ملامت کرنے والوں کی ملامت کی پروا نہ کرنا۔"

پھر آپ نے تیسرے صاحبزادے محمد بن الحنفیہ کی طرف دیکھا۔" جو نصیحت میں نے تیرے بھائیوں کو کی تو نے حفظ کرلی ؟"

اُنھوں نے عرض کی "جی ہاں" فرمایا "میں تجھے بھی یہی وصیت کرتا ہوں۔ نیز وصیت کرتا ہوں کہ اپنے ان دونوں بھائیوں کے عظیم حق کا خیال رکھنا۔ ان کی اطاعت کرنا۔ بغیر ان کی رائے کے کوئی کام نہ کرنا"

پھر امام حسن وحسین علیہما السلام سے فرمایا "میں تمھیں اس کے بارے میں وصیت کرتا ہوں۔ کیوں کہ یہ تمھارا بھائی ہے۔ تمھارے باپ کا بیٹا ہے اور تم جانتے ہو کہ تمھارا باپ اس سے محبت کرتا ہے"

پھر امام حسنؑ سے فرمایا "فرزند میں تمھیں وصیت کرتا ہوں خوفِ خدا کی۔ اپنے اوقات میں نماز قائم کرنے کی۔ میعاد پر زکوٰۃ ادا کرنے کی۔ ٹھیک وضو کرنے کی کیوں کہ نماز بغیر طہارت ممکن نہیں اور مانع زکوٰۃ کی نماز قبول نہیں۔ نیز وصیت کرتا ہوں خطائیں معاف کرنے کی۔ دین میں عقل و دانش کی۔ ہر معاملہ میں تحقیق کی۔ قرآن سے مزاولت کی۔ پڑوسی سے حسنِ سلوک کی۔ امر بالمعروف نہی عن المنکر کی۔ فواحش سے اجتناب کی۔ (طبری جلد ٦)

پھر اپنی تمام اولاد کو مخاطب کر کے کہا "خدا سے ڈرتے رہو۔ اس کی اطاعت کرو جو تمھارے ہاتھ میں نہیں ہے اس کا غم نہ کرو۔ اس کی عبادت پر کمربستہ رہو۔ چست و چالاک بنو۔ سُست نہ بنو۔ ذلّت قبول نہ کرو۔ خدایا! ہم سب کو ہدایت پر جمع کر۔ ہمیں اور انھیں دنیا سے بے رغبت کردے۔ ہمارے اور اُن کے لئے آخرت اول سے بہتر کر" (الامامة والسیاسة)

آخری وصیت

وفات کے وقت یہ وصیت لکھوائی "یہ علی بن ابی طالب کی وصیت ہے وہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمدؐ اس کے بندے اور رسولؐ ہیں۔ میری نماز، میری عبادت، میرا جینا میرا مرنا سب کچھ اللہ رب العالمین ہی کے لئے ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا فرماں بردار ہوں۔ پھر اے حسنؑ! میں تجھے اور اپنی تمام اولاد کو وصیت کرتا ہوں کہ خدا کا خوف کرنا۔ اور جب مرنا تو اسلام پر ہی مرنا —— سب مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑ لو۔ اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو۔ کیونکہ میں نے ابوالقاسم رسول صلعم کو فرماتے سنا ہے کہ آپس کا ملاپ قائم رکھنا روزے نماز سے بھی افضل ہے۔ اپنے

رشتے داروں کا خیال رکھو، ان سے بھلائی کرو، خدا تم پر حساب آسان کر دے گا۔ اور ہاں یتیم! یتیم! یتیموں کا خیال رکھو۔ ان کے منہ میں خاک مت ڈالو۔ وہ تمہاری موجودگی میں ضائع نہ ہونے پائیں اور دیکھو تمہارے پڑوسی! تمہارے پڑوسی۔ اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھو۔ کیوں کہ یہ تمہارے نبیؐ کی وصیت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برابر پڑوسیوں کے حق میں وصیت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ہم سمجھے شاید انھیں ورثہ میں شریک کر دیں گے۔ اور دیکھو قرآن! قرآن! ایسا نہ ہو قرآن پر عمل کرنے سے کوئی تم پر بازی لے جائے۔ اور نماز! نماز! کیوں کہ وہ تمہارے دین کا ستون ہے۔ اور تمہارے رب کا گھر۔ اپنے رب کے گھر سے غافل نہ ہونا۔ اور جہاد فی سبیل اللہ! جہاد فی سبیل اللہ! اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال سے جہاد کرتے رہو۔ زکوٰۃ۔ زکوٰۃ! زکوٰۃ پروردگار کا غصہ ٹھنڈا کر دیتی ہے اور ہاں تمہارے نبی کے ذمی! تمہارے نبی کے ذمی (یعنی وہ غیر مسلم جو تمہارے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں) ایسا نہ ہو، ان پر تمہارے سامنے ظلم کیا جائے اور تمہارے نبی کے صحابی! تمہارے نبی کے صحابی! یاد رکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابیوں کے حق میں وصیت کی ہے اور فقراء و مساکین! انھیں اپنی روزی میں شریک کرو۔ اور تمہارے غلام! تمہارے غلام! غلاموں کا خیال رکھنا۔ خدا کے باب میں اگر کسی کی بھی پروا نہیں کرو گے تو خدا تمہارے دشمنوں سے تمھیں محفوظ کر دے گا خدا کے تمام بندوں پر شفقت کرو۔ جب بات کرو تو میٹھی زبان میں بات کرو۔ ایسا ہی خدا نے حکم دیا ہے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر نہ چھوڑنا ورنہ تمہارے اشرار تم پر مسلط کر دیئے جائیں گے۔ پھر تم دعائیں کرو گے مگر قبول نہ ہوں گی۔ باہم ملے جلے رہو۔ بے تکلف اور سادگی پسند رہو خبردار! ایک دوسرے سے نہ کٹنا۔ اور نہ آپس میں پھوٹ ڈالنا۔ نیکی اور تقویٰ پر باہم مددگار رہو۔ مگر گناہ اور زیادتی میں کسی کی مدد نہ کرو خدا سے ڈرو کیوں کہ اس کا عذاب بڑا ہی سخت ہے۔ اے اہل بیت! خدا تمھیں محفوظ رکھے۔ اور اپنے نبیؐ کریم کو تم بھی یاد رکھو میں تمھیں خدا ہی کے سپرد کرتا ہوں۔ تمہارے لئے سلامتی اور برکت چاہتا ہوں۔"

اس کے بعد لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہا اور ہمیشہ کے لئے آنکھیں بند کر لیں۔

(طبری جلد ۶)

دفن کے بعد دوسرے دن حضرت امام حسنؑ نے مسجد میں خطبہ دیا:

دفن کے بعد "لوگو! کل تم سے ایک ایسا شخص رخصت ہو گیا ہے جس سے نہ اگلے علم میں پیشقدمی کر گئے اور نہ پچھلے اس کی برابری کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُسے جھنڈا دیتے تھے اور اس کے ہاتھ پر فتح ہو جاتی تھی۔ اس نے چاندی سونا کچھ نہیں چھوڑا صرف اپنے روزینے میں سے کاٹ کر ۷۰۰ درہم گھر کے لئے جمع کئے تھے" (ایک درہم تقریباً چار آنے کا ہوتا تھا) (مسند حسن)

زید بن حسن سے مروی ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام کی شہادت کی خبر کلثوم بن عمر کے ذریعے مدینہ میں پہنچی سنتے ہی تمام شہر میں کہرام مچ گیا۔ کوئی آنکھ نہ تھی جو نہ روتی ہو۔ بالکل وہی منظر درپیش تھا جو رسول اللہ ص کی وفات کے دن دیکھا گیا تھا۔ جب ذرا سکون ہوا تو صحابہ نے کہا "چلو ام المومنین عائشہ کو دیکھیں کہ رسول اللہ ص کے چہیتے کی موت سن کر اُن کا کیا حال ہے؟"

حضرت زید کہتے ہیں "سب لوگ ہجوم کر کے ام المومنین کے گھر گئے اور اجازت چاہی۔ انھوں نے دیکھا کہ حادثہ کی خبر یہاں پہلے سے پہنچ چکی ہے اور ام المومنین غم سے نڈھال، آنسوؤں سے تر بتر بیٹھی ہیں۔ لوگوں نے یہ حالت دیکھی تو خاموشی سے لوٹ آئے"

حضرت زید فرماتے ہیں "دوسرے دن مشہور ہوا اُم المومنین رسول اللہ ص کی قبر پر جا رہی ہیں۔ مسجد میں جتنے بھی مہاجرین و انصار تھے استقبال کو اُٹھ کھڑے ہوئے اور سلام کرنے لگے۔ مگر ام المومنین نہ کسی کے سلام کا جواب دیتی تھیں نہ بولتی تھیں۔ شدت گریہ سے زبان بند تھی، دل تنگ تھا، چادر تک نہ سنبھلتی تھی۔ بار بار پیروں میں الجھتی اور آپ لڑکھڑا لڑکھڑا جاتیں، بدقت تمام پہنچیں۔ لوگ پیچھے پیچھے آ رہے تھے۔ حجرے میں داخل ہوئیں تو دروازہ پکڑ کر کھڑی ہو گئیں۔ اور ٹوٹی ہوئی آواز میں کہا۔

"اے نبی ہدایت! تجھ پر سلام! ابوالقاسم تجھ پر سلام! او رسول اللہ! آپ پر اور آپ کے دونوں ساتھیوں پر سلام! میں آپ کے محبوب ترین عزیز کی موت کی خبر آپ کو سنانے آئی ہوں۔ میں آپ کے عزیز ترین کی یاد تازہ کرنے آئی ہوں۔ بخدا

آپ کا چنا ہوا حبیب، منتخب کیا ہوا عزیز قتل ہو گیا، واللہ قتل ہو گیا جس کی بیوی افضل ترین عورت تھی۔ واللہ وہ قتل ہو گیا جو ایمان لایا اور اور ایمان کے عہد میں پورا اُترا ــــــ میں رونے والی غمزدہ ہوں ـ میں اس پر آنسو بہانے اور دل جلانے والی ہوں۔ اگر قبر کھل جاتی تو تیری زبان بھی یہی کہتی ـ کہ تیرا عزیز ترین اور افضل ترین وجود قتل ہو گیا۔" (عقد الفرید ج)

ایک روایت میں ہے کہ اُم المومنین عائشہ نے جب امیر المومنین کی شہادت کی خبر سُنی تو ٹھنڈی سانس لی اور کہا "اب عرب جو چاہیں کریں۔ کوئی انھیں روکنے والا باقی نہیں رہا۔" (استیعاب)

مرثیہ

آپ کے مشہور صحابی ابوالاسود الدؤلی نے مرثیہ کہا تھا جس کا پہلا شعر کتب ادب و محاضرات میں عام طور پر نقل کیا جاتا ہے۔

الا ابلغ معاویة بن حرب
فلا قرت عیون الشامتینا

امام حسین بن علی علیہ السلام

دنیا میں انسانی عظمت و شہرت کے ساتھ حقیقت کا توازن بہت کم قائم رہ سکتا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ جو شخصیتیں عظمت و تقدس اور قبول و شہرت کی بلندیوں پر پہنچ جاتی ہیں۔ دنیا عموماً تاریخ سے زیادہ افسانہ اور تخیل کے اندر انھیں ڈھونڈھنا چاہتی ہے۔ اسی لئے فلسفۂ تاریخ کے بانی اوّل ابن خلدون کو یہ قاعدہ بنا دینا پڑا کہ جو واقعہ دنیا میں جس قدر زیادہ مقبول و مشہور ہوگا اتنی ہی افسانہ سرائی اسے اپنے حصار تخیل میں لے لیگی۔ ایک مغربی شاعر گوئٹے نے یہی حقیقت ایک دوسرے پیرایہ میں بیان کی ہے۔ وہ کہتا ہے "انسانی عظمت کی حقیقت کی انتہا یہ ہے کہ افسانہ بن جائے"۔

تاریخ اسلام میں حضرت امام حسین (علیہ وعلی آبائہ واجداد ہٖ الصلوٰۃ والسلام) کی شخصیت جو اہمیت رکھتی ہے، محتاجِ بیان نہیں۔ خلفائے راشدین کے عہد کے بعد جس واقعہ نے اسلام کی دینی، سیاسی، اور اجتماعی تاریخ پر سب سے زیادہ اثر ڈالا ہے۔ وہ ان کی شہادت کا عظیم واقعہ ہے۔ بغیر کسی مبالغہ کے کہا جا سکتا ہے کہ دنیا کے کسی المناک حادثہ پر نسلِ انسانی کے اس قدر آنسو نہ بہے ہوں گے جس قدر اس حادثہ پر بہے ہیں۔ تیرہ سو

برس کے اندر تیرہ سو محرم گزر چکے اور ہر محرم اس حادثہ کی یاد تازہ کرتا رہا۔ امام حسینؑ کے جسمِ خوں چکاں سے دشتِ کربلا میں جس قدر خون بہا تھا، اس کے ایک ایک قطرے کے بدلے دنیا اشک ہائے ماتم والم کا ایک ایک سیلاب بہا چکی ہے۔

بایں ہمہ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ تاریخ کا اتنا مشہور عظیم تاثیر رکھنے والا واقعہ بھی تاریخ سے کہیں زیادہ افسانہ کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ اگر آج ایک جویائے حقیقت چاہے کہ صرف تاریخ اور تاریخ کی محتاط شہادتوں کے اندر اس حادثہ کا مطالعہ کرے تو اکثر صورتوں میں اسے مایوسی سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اس وقت جس قدر بھی مقبول اور متداول ذخیرہ اس موضوع پر موجود ہے۔ وہ زیادہ تر روضہ خوانی سے تعلق رکھتا ہے جس کا مقصد زیادہ سے زیادہ گریہ و بکا کی حالت پیدا کر دینی ہے، حتیٰ کہ تاریخی حیثیت سے بیان واقعات میں بعض چیزیں جو تاریخ کی شکل میں مرتب ہوتی ہیں وہ بھی دراصل تاریخ نہیں ہے۔ روضہ خوانی اور مجلس طرازی کے مواد ہی نے ایک دوسری صورت اختیار کر لی ہے۔

آج اگر جستجو کی جائے کہ دنیا کی کسی زبان میں بھی کوئی ایک کتاب ایسی موجود ہے جو حادثۂ کربلا کی تاریخ ہو تو واقعہ یہ ہے کہ ایک بھی نہیں!

ذیل میں ہم وفیات مشاہیر عالم میں سے (جس کا ذکر دوسرے نمبر میں ہو چکا ہے) حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے واردات حوادث نقل کرتے ہیں۔ یہ حادثۂ کربلا کی "تاریخ" نہیں ہے مگر تمام تاریخی واقعات کا مرتب مجموعہ ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ جہاں تک تاریخ کا تعلق ہے اس حادثہ کے واقعات یہ ہیں۔ یاد رہے کہ اس سلسلہ سے مقصود تاریخی بحث و نظر نہیں ہے بلکہ مجرد واقعات وفات کا اس طرح یکجا کر دینا ہے کہ اس سے ایک مرتب سلسلۂ بیان پیدا ہو جائے۔ البتہ واقعات کے تفحص و تحقیق میں پوری کاوش کی گئی ہے۔ شاید اس قدر کاوش اور جستجو کے ساتھ ان حالات کا تاریخی مجموعہ دوسری جگہ نہ ملے۔

تمہید

اہل بیت، شروع سے اپنے تئیں خلافت کا زیادہ حقدار سمجھتے تھے، امیر معاویہ

بن ابی سفیان کی وفات کے بعد تخت خلافت خالی ہوا۔ یزید بن معاویہ پہلے سے ولی عہد مقرر ہو چکا تھا۔ اُس نے اپنی خلافت کا اعلان کر دیا اور حسین بن علی علیہ السّلام سے بھی بیعت کا مطالبہ کیا۔ حضرت امیر المومنین علی علیہ السّلام نے کوفہ کو دارالخلافہ قرار دیا تھا۔ اس لئے وہاں اہلِ بیت کرام کے طرف داروں کی تعداد زیادہ تھی۔ اُنھوں نے حضرت حسین ؑ کو لکھا کہ آپ تشریف لایئے ہم آپ کا ساتھ دیں گے۔

آپ نے اپنے چچیرے بھائی مسلم بن عقیل کو اہلِ کوفہ سے بیعت لینے کے لئے بھیج دیا۔ اور خود بھی سفر کی تیاری کرنے لگے۔

دوستوں کا مشورہ

آپ کے دوستوں اور عزیزوں کو معلوم ہوا تو سخت مضطرب ہوئے۔ وہ اہلِ کوفہ کی بے وفائی اور زمانہ سازی سے واقف تھے۔ بنی امیّہ کی سخت گیر طاقتوں سے بھی بے خبر نہ تھے۔ انھوں نے اس سفر کی مخالفت کی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ نے کہا: "لوگ یہ سُن کر بڑے پریشان ہیں کہ آپ عراق جا رہے ہیں۔ مجھے اصلی حقیقت سے آگاہ کیجئے۔"

حضرت حسینؑ نے جواب دیا: "میں نے عزم کر لیا ہے، آج ہی کل میں روانہ ہونا ہوں۔" ابنِ عباس بے اختیار پکار اُٹھے: "خدا آپ کی حفاظت کرے کیا آپ ایسے لوگوں میں جا رہے ہیں جنھوں نے اپنے امیر کو بے دست و پا کر دیا ہے اور دشمن کو نکال دیا ہے اور ملک پر قبضہ حاصل کر لیا ہے؟ اگر وہ ایسا کر چکے ہیں تو شوق سے تشریف لے جایئے لیکن اگر ایسا نہیں ہوا ہے، حاکم بدستور اُن کی گردن دبائے بیٹھا ہے، اس کے گماشتے برابر اپنی کارستانیاں کر رہے ہیں، تو ان کا آپ کو بُلانا درحقیقت جنگ کی طرف بلانا ہے۔ میں ڈرتا ہوں وہ آپ کو دھوکا نہ دیں اور جب دشمن کو طاقتور دیکھیں تو خود آپ سے لڑنے کے لئے آمادہ ہو جائیں۔" مگر آپ اس طرح کی باتوں سے متاثر نہ ہوئے اور اپنے ارادہ پر قائم رہے۔

ابنِ عباس کا جوش

جب روانگی کی گھڑی بالکل قریب آگئی تو ابنِ عباس پھر دوڑے آئے۔

"اے ابنِ عم!" انھوں نے کہا: "میں خاموش رہنا چاہتا تھا مگر خاموش رہا

نہیں جاتا۔ میں اس راہ میں آپ کی ہلاکت اور بربادی دیکھ رہا ہوں۔ عراق والے دغاباز ہیں ان کے قریب بھی نہ جائیے۔ یہیں قیام کیجئے کیوں کہ یہاں حجاز میں آپ سے بڑا کوئی نہیں ہے اگر عراقی آپ کو بلاتے ہیں تو اُن سے کہئے پہلے مخالفین کو اپنے علاقے سے نکال دو پھر مجھے بلاؤ۔ اگر آپ حجاز سے جانا ہی چاہتے ہیں تو یمن چلے جائیے۔ وہاں قلعے اور دشوار گزار پہاڑ ہیں۔ ملک کشادہ ہے۔ آبادی عموماً آپ کے والد کی خیر خواہ ہے۔ وہاں آپ ان لوگوں کی دست رس سے باہر ہوں گے۔ خطوں اور قاصدوں کے ذریعے اپنی دعوت پھیلائیے گا۔ مجھے یقین ہے اس طرح آپ کامیاب ہو جائیں گے۔"

لیکن حضرت حسین ؓ نے جواب دیا۔

"اے ابنِ عم! میں جانتا ہوں تم میرے خیر خواہ ہو۔ لیکن میں اب عزم کر چکا۔"

ابن عباس نے کہا۔

"آپ نہیں مانتے تو عورتوں اور بچوں کو ساتھ نہ لے جائیے۔ مجھے اندیشہ ہے آپ ان کی آنکھوں کے سامنے اسی طرح نہ قتل کر ڈالے جائیں جس طرح حضرت عثمان بن عفان ؓ اپنے گھر والوں کے سامنے قتل کئے گئے تھے۔"

تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد حضرت بن عباس ؓ نے جوش میں آکر کہا۔

"اگر مجھے یقین ہوتا کہ آپ کے بال پکڑ لینے اور لوگوں کے جمع ہونے سے آپ رک جائیں گے تو واللہ میں ابھی آپ کی پیشانی کے بال پکڑ لوں۔" (ابن جریر)

مگر آپ پھر بھی اپنے ارادے پر قائم رہے۔

عبداللہ بن جعفر کا خط اسی طرح اور بھی بہت سے لوگوں نے آپ کو سمجھایا۔ آپ کے چچیرے بھائی عبداللہ بن جعفر نے مدینہ سے خط بھیجا۔

"میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ یہ خط دیکھتے ہی اپنے ارادے سے باز آجائیے۔ کیوں کہ اس راہ میں آپ کے لئے ہلاکت اور آپ کے اہل بیت کے لئے بربادی ہے۔ اگر آپ قتل ہو گئے تو زمین کا نور بجھ جائے گا۔ اس وقت ایک آپ ہی ہدایت کا نشان اور اربابِ ایمان کی امیدوں کا مرکز ہیں۔ سفر میں جلدی نہ کیجئے۔

میں آتا ہوں"۔
(ابن جریر، کامل مقتل ابن احنف وغیرہ ذالک)

والی کا خط

یہی نہیں بلکہ انھوں نے یزید کے مقرر کئے ہوئے والی عمرو بن سعید بن العاص سے جا کر کہا حسین بن علی کو خط لکھ کر ہر طرح مطمئن کر دو۔ عمرو نے کہا آپ خود خط لکھ لائیے۔ میں مہر کر دوں گا۔ چناں چہ عبداللہ نے والی کی جانب سے یہ خط لکھا:۔

"میں دعا کرتا ہوں کہ خدا آپ کو اس راستے سے دور کر دے جس میں ہلاکت ہے اور اس راستے کی طرف رہنمائی کر دے جس میں سلامتی ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے آپ عراق جا رہے ہیں"۔

"میں آپ کے لئے شقاق و اختلاف سے پناہ مانگتا ہوں۔ میں آپ کی ہلاکت سے ڈرتا ہوں۔ میں عبداللہ بن جعفر اور یحییٰ بن سعید کو آپ کے پاس بھیج رہا ہوں۔ ان کے ساتھ واپس چلے آیئے۔ میرے پاس آپ کے لئے امن و سلامتی، نیکی، احسان اور حسن جوار ہے۔ خدا اس پر شاہد ہے۔ وہی اس کا نگہبان و کفیل ہے۔ والسلام"۔

مگر آپ بدستور اپنے ارادے پر جمے رہے۔
(ابن جریر وغیرہ)

فرزدق سے ملاقات

مکہ سے جب آپ عراق روانہ ہو گئے "صفاح" نام مقام پر مشہور محب اہل بیت شاعر فرزدق سے ملاقات ہوئی۔

آپ نے پوچھا "تیرے پیچھے لوگوں کا کیا حال ہے؟"

فرزدق نے جواب دیا "ان کے دل آپ کے ساتھ ہیں۔ مگر تلواریں بنی امیہ کے ساتھ ہیں"۔ آپ نے فرمایا "سچ کہتا ہے۔ اب معاملہ اللہ ہی کے ہاتھ ہے۔ وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے ہمارا پروردگار ہر لمحہ کسی نہ کسی حکم فرمائی میں ہے۔ اگر اس کی مشیت ہماری پسند کے مطابق ہو تو اس کی ستائش کریں گے۔ اگر امید کے خلاف ہو تو بھی نیک نیتی اور تقوے کا ثواب کہیں نہیں گیا ہے"۔

یہ کہا اور سواری آگے بڑھائی۔
(ایضاً)

مسلم بن عقیل کے عزیزوں کی ضد

زرود نام مقام میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ آپ کے

نائب مسلم بن عقیل کو کوفہ میں یزید کے گورنر عبیداللہ بن زیاد نے علانیہ قتل کر دیا اور کسی کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ آپ نے سنا تو بار بار اِنّا للہِ واِنّا الیہ راجعون پڑھنا شروع کیا۔ بعض ساتھیوں نے کہا:

"اب بھی وقت ہے ہم آپ کے اور آپ کے اہلِ بیت کے معاملہ میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتے ہیں۔ للہ یہیں سے لوٹ چلیے۔ کوفہ میں آپ کا کوئی ایک بھی طرف دار اور مددگار نہیں ہے۔ سب آپ کے خلاف کھڑے ہو جائیں گے۔"

آپ خاموش کھڑے ہو گئے اور واپسی پر غور کرنے لگے، لیکن مسلم بن عقیل کے عزیز کھڑے ہو گئے۔ "واللہ ہم ہرگز نہ ٹلیں گے۔" انھوں نے کہا "ہم اپنا انتقام لیں گے یا اپنے بھائی کی طرح مر جائیں گے۔" اس پر آپ نے ساتھیوں کو نظر اٹھا کے دیکھا اور ٹھنڈی سانس لے کر کہا: "ان کے بعد زندگی کا کوئی مزہ نہیں۔" (ایضاً)

رستہ میں بھیڑ چھنٹ گئی

بدوؤں کی ایک جماعت آپ کے ساتھ ہو گئی تھی۔ وہ یہ سمجھتے تھے کوفہ میں خوب آرام کریں گے۔ آپ ان کی حقیقت سے واقف تھے۔ سب کو جمع کر کے خطبہ دیا۔

"اے لوگو! ہمیں نہایت دہشت ناک خبریں پہنچی ہیں مسلم بن عقیل، ہانی بن عروہ اور عبداللہ بن بقطر قتل کر ڈالے گئے۔ ہمارے طرف داروں نے بے وفائی کی۔ کوفہ میں ہمارا کوئی مددگار نہیں جو ہمارا ساتھ چھوڑنا چاہے چھوڑ دے ہم ہرگز خفا نہ ہوں گے۔"

بھیڑ نے یہ سنا تو دائیں بائیں کٹنا شروع ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد آپ کے گرد وہی آدمی رہ گئے جو مکّہ سے ساتھ چلے تھے۔ (ایضاً)

حُر بن یزید کی آمد!

قادسیہ سے جوں ہی آگے بڑھے۔ عبیداللہ بن زیاد والیٔ عراق کے عامل حصین بن نمیر تمیمی کی طرف سے حُر بن یزید ایک ہزار فوج کے ساتھ نمودار ہوا اور ساتھ ہو لیا۔ اسے حکم ملا تھا کہ حضرت حسینؑ کے ساتھ برابر لگا رہے اور اس وقت تک پیچھا نہ چھوڑے جب تک انھیں عبیداللہ بن زیاد کے روبرو نہ لے جائے۔ اسی اثنا میں نماز ظہر کا وقت آ گیا۔ آپ تہ بند باندھے چادر اوڑھے نعل پہنے تشریف لائے۔

اور حمد و نعت کے بعد اپنے ساتھیوں اور حُر کے سپاہیوں کے سامنے خطبہ دیا۔

راہ میں ایک خطبہ

"اے لوگو! خدا کے سامنے اور تمھارے سامنے میرا عذر یہ ہے کہ میں اپنی طرف سے یہاں نہیں آیا ہوں۔ میرے پاس تمھارے خطوط پہنچے، قاصد آئے، مجھے بار بار دعوت دی گئی کہ ہمارا کوئی امام نہیں۔ آپ آیئے، تاکہ خدا ہمیں آپ کے ہاتھ پر جمع کر دے۔ اگر اب بھی تمھاری یہ حالت ہے تو میں آگیا ہوں۔ اگر مجھ سے عہد و پیمان کے لئے تیار رہو، جن پر میں مطمئن ہو جاؤں تو میں تمھارے شہر چلنے کو تیار ہوں اگر ایسا نہیں ہے بلکہ میری آمد سے ناخوش ہو تو میں وہیں واپس چلا جاؤں گا جہاں سے آیا ہوں۔"

دشمنوں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی

کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ دیر تک خاموش رہنے کے بعد لوگ مؤذن سے کہنے لگے "اقامت پکارو"۔

حضرت حسینؑ نے حُر بن یزید سے کہا "کیا تم علیحدہ نماز پڑھو گے؟" اس نے کہا "نہیں آپ امامت کریں۔ ہم آپ ہی کے پیچھے نماز پڑھیں گے"۔

وہیں عصر کی بھی نماز پڑھی۔ دوست دشمن سب مقتدی تھے۔ نماز کے بعد آپ نے پھر خطبہ دیا۔

دوسرا خطبہ

"اے لوگو! اگر تم تقوے پر ہو اور حقدار کا حق پہچانو تو یہ خدا کی خوشنودی کا موجب ہوگا۔ ہم اہلِ بیت ان مدعیوں سے زیادہ حکومت کے حقدار ہیں۔ ان لوگوں کو کوئی حق نہیں پہنچتا۔ یہ تم پر ظلم و جور سے حکومت کرتے ہیں۔ لیکن اگر تم ہمیں ناپسند کرو۔ ہمارا فرض نہ پہچانو اور تمھاری رائے اب اس کے خلاف ہوگئی ہو جو تم نے مجھے اپنے خطوں میں لکھی اور قاصدوں کی زبانی پہنچائی تھی تو میں واپس جانے کے لئے بخوشی تیار ہوں"۔

اہلِ کوفہ کے خطوط

اس پر حُر نے کہا "آپ کن خطوط کا ذکر کرتے ہیں۔ ہمیں ایسے خطوں کا کوئی علم نہیں"۔

آپ نے عقبہ بن سمعان کو حکم دیا کہ وہ دونوں تھیلے نکال لائے جن میں کوفہ

والوں کے خط بھرے ہیں۔" عقبہ نے تھیلے انڈیل کر خطوں کا ڈھیر لگا دیا۔ اس پر حُر نے کہا۔ لیکن ہم وہ نہیں ہیں۔ جنھوں نے یہ خط لکھے تھے۔ ہمیں تو یہ حکم ملا ہے کہ آپ کو عبید اللہ بن زیاد تک پہنچا کے چھوڑیں۔"

حضرت امام حسین ؑ نے فرمایا۔" لیکن یہ موت سے پہلے ناممکن ہے۔"

پھر آپ نے روانگی کا حکم دیا لیکن مخالفین نے راستہ روک لیا۔ آپ نے خفا ہو کر حُر سے کہا۔ "تیری ماں تجھے روئے تو کیا چاہتا ہے!"

حُر نے جواب دیا۔" واللہ اگر آپ کے سوا کوئی اور عرب میری ماں کا نام زبان پر لاتا تو میں اُسے بتا دیتا۔ لیکن آپ کی ماں کا ذکر میری زبان پر بُرائی کے ساتھ نہیں آسکتا۔"

آپ نے فرمایا۔" پھر تم کیا چاہتے ہو؟"

اُس نے کہا۔" میں آپ کو عبیدہ اللہ بن زیاد کے پاس لے جانا چاہتا ہوں۔" آپ نے فرمایا۔" واللہ میں تمھارے ساتھ نہیں چلوں گا۔"

اِس نے کہا " میں بھی آپ کا پیچھا نہیں چھوڑوں گا۔"

جب گفتگو زیادہ بڑھی تو حُر نے کہا۔" مجھے آپ سے لڑنے کا حکم نہیں ملا ہے مجھے صرف یہ حکم ملا ہے کہ آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں۔ یہاں تک کہ آپ کو کوفہ پہنچا دوں۔ اگر آپ اسے منظور نہیں کرتے تو ایسا راستہ اختیار کیجئے جو نہ کوفہ جاتا ہو اور نہ مدینہ۔ میں ابن زیاد کو لکھتا ہوں۔ آپ اگر پسند کریں تو خود بھی یزید یا عبید اللہ کو لکھئے۔ شاید خدا میرے لئے مخلصی کی کوئی صورت پیدا کر دے اور آپ کے معاملہ میں امتحان سے بچ جاؤں۔"

یہ بات آپ نے منظور کر لی۔ اور روانہ ہوئے۔ (جریر و کامل)

ایک اور خطبہ

راستہ میں کئی اور مقامات پر بھی آپ نے دوستوں اور دشمنوں کو مخاطب کیا۔ مقام بیضہ پر خطبہ دیا۔

اے لوگو! رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے جو کوئی ایسے حاکم کو دیکھے جو ظلم کرتا ہے خدا کی قائم کی ہوئی حدیں توڑتا ہے۔ عہدِ الٰہی شکست کرتا ہے۔ سُنتِ نبویؐ کی مخالفت کرتا ہے۔ خدا کے بندوں پر گناہ اور سرکشی سے حکومت کرتا ہے اور دیکھنے پر بھی نہ تو اپنے فعل سے اس کی مخالفت کرتا ہے نہ اپنے قول سے سو خدا

ایسے آدمی کو اچھا ٹھکانا نہیں بخشے گا دیکھو یہ لوگ شیطان کے پیرو بن گئے۔ رحمٰن سے سرکش ہو گئے۔ فساد ظاہر ہے، حدودِ الٰہی معطّل ہیں، مال غنیمت پر ناجائز قبضہ ہے۔ خدا کے حرام کو حلال اور حلال کو حرام ٹھیرایا جا رہا ہے۔ میں ان کی سرکشی کو حق و عدل سے بدل دینے کا سب سے زیادہ حقدار ہوں تمھارے بے شمار خطوط اور قاصد میرے پاس پیام بیعت لے کر پہنچے۔ تم عہد کر چکے ہو کہ نہ تو مجھ سے بیوفائی کرو گے نہ مجھے دشمنوں کے حوالے کرو گے۔ اگر تم اپنی اس بیعت پر قائم رہو تو یہ تمھارے لئے راہِ ہدایت ہے۔ کیوں کہ میں حسین ؑ ابن علی ؑ، ابن فاطمہ۔ رسول اللہ کا نواسہ ہوں۔ میری جان تمھاری جان کے ساتھ ہے۔ میرے بال بچے تمھارے بال بچوں کے ساتھ ہیں۔ مجھے اپنا نمونہ بناؤ اور مجھ سے گردن نہ موڑو۔ لیکن اگر تم یہ نہ کرو۔ بلکہ اپنا عہد توڑو۔ اور اپنی گردن سے بیعت کا حلقہ نکال پھینکو تو یہ بھی تم سے بعید نہیں۔"

"تم میرے باپ۔ بھائی اور عم زاد مسلم کے ساتھ ایسا ہی کر چکے ہو۔ وہ فریب خوردہ ہے جو تم پر بھروسہ کرے۔ لیکن یاد رکھو، تم نے اپنا ہی نقصان کیا ہے اور اب بھی اپنا ہی نقصان کرو گے تم نے اپنا ہی حصہ کھو دیا۔ اپنی قسمت بگاڑ دی۔ جو بدعہدی کرے گا خود اپنے خلاف بدعہدی کرے گا۔ عجب نہیں خدا عنقریب مجھے تم سے بے نیاز کر دے۔ والسّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔" (ابن جریر و کامل وغیرہ)

ایک اور تقریر

ایک دوسری جگہ یوں تقریر فرمائی۔

"معاملہ کی جو صورت ہو گئی ہے تم دیکھ رہے ہو۔ دنیا نے اپنا رنگ بدل دیا۔ منہ پھیر لیا۔ نیکی سے خالی ہو گئی۔ ذرا سی تلچھٹ باقی ہے۔ حقیر سی زندگی رہ گئی ہے ہولناکی نے احاطہ کر لیا ہے۔ افسوس تم دیکھتے نہیں کہ حق پس پشت ڈال دیا گیا ہے۔ باطل پر علانیہ عمل کیا جا رہا ہے۔ کوئی نہیں جو اس کا ہاتھ پکڑے۔ وقت آ گیا ہے کہ مومن حق کی راہ میں لقاءِ الٰہی کی خواہش کرے۔ لیکن میں شہادت ہی کی موت چاہتا ہوں۔ ظالموں کے ساتھ زندہ رہنا بجائے خود جرم ہے۔"

زہیر کا جواب

یہ خطبہ سن کر زہیر بن القین البجلی نے کھڑے ہو کر لوگوں سے کہا "تم بولو گے یا میں بولوں؟"

سب نے کہا۔ "تم بولو" زہیر نے تقریر کی۔

"اے فرزندِ رسول! خدا آپ کے ساتھ ہو! ہم نے آپ کی تقریر سنی۔ واللہ اگر دنیا ہمارے لئے ہمیشہ باقی رہنے والی ہو اور ہم سدا اس میں رہنے والے ہوں جب بھی آپ کی حمایت و نصرت کے لئے اس کی جدائی کو گوارا کر لیں گے اور ہمیشہ کی زندگی پر آپ کے ساتھ مر جانے کو ترجیح دیں گے۔" (ایضاً)

حُر کی دھمکی کا جواب

حُر بن یزید آپ کے ساتھ برابر چلا آ رہا تھا۔ بار بار کہتا تھا "اے حسین! اپنے معاملہ میں خدا کو یاد کیجئے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ جنگ کریں گے تو ضرور قتل کر ڈالے جائیں گے۔"

ایک مرتبہ آپ نے غضبناک ہو کر فرمایا "تو مجھے موت سے ڈراتا ہے۔ کیا تمھاری شقاوت اس حد تک پہنچ جائے گی کہ مجھے قتل کرو گے! سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا جواب دوں تجھے؟ لیکن میں وہی کہوں گا جو رسول اللہ ؐ کے ایک صحابی نے جہاد پر جاتے ہوئے اپنے بھائی کی دھمکی سن کر کہا تھا ؎

سامضی دما بالموت عارٌ علی الفتی   اذا مانوی حقاً وجاھد مسلما

(میں روانہ ہوتا ہوں، مرد کے لئے موت، ذلت نہیں ہے جبکہ اس کی نیت نیک ہو اور اسلام کی راہ میں جہاد کرنے والا ہو)

وآسی الرجال الصالحین بنفسہ   وفارق مثبوراً یغش ویرغما"

(اور جبکہ وہ اپنی جان دے کر صالحین کا مددگار ہوا اور دغاباز ظالم ہلاک ہونے والے سے جدا ہو رہا ہو) (ایضاً)

چار کوفیوں کی آمد

عذیب الہجانات نام مقام پر کوفہ سے چار سوار آتے دکھائی دیئے ان کے آگے آگے طرماح بن عدی یہ شعر پڑھ رہا تھا ؎

یا ناقتی لا تذعری من زجری   وشمری قبل طلوع الفجر

(اے میری اونٹنی! میری ڈانٹ سے ڈر نہیں۔ طلوعِ فجر سے پہلے ہمت سے چل۔)

بخیر رکبان وخیر سفر   حتی تحلی بکریم النجر

(سب سے اچھے مسافروں کو لے چل۔ سب سے اچھے سفر پر چل۔ یہاں تک کہ شریف النسب آدمی تک پہنچ جا۔)

الماجد الحر، رحیب الصدر اتی بہ اللہ لخیر الامر

(وہ عزّت والا ہے، آزاد ہے۔ فراخ سینہ ہے۔ اللہ اسے سب سے اچھے کام کے لئے لایا ہے)

ثمّ ابقاہ بقاء الدھر
(خدا اسے ہمیشہ سلامت رکھے)

حضرت حسین ؑ نے یہ شعر سنے تو فرمایا "واللہ مجھے یہی امید ہے کہ خدا کو ہمارے ساتھ بھلائی منظور ہے۔ چاہے قتل ہوں یا فتح یاب ہوں"

حُر بن یزید نے ان کو دیکھا تو حضرت سے کہا "یہ کوفہ کے لوگ ہیں آپ کے ساتھی نہیں ہیں۔ میں انھیں روکوں گا۔ واپس کر دوں گا"

آپ نے فرمایا "تم وعدہ کر چکے ہو کہ ابن زیاد کا خط آنے سے پہلے مجھ سے کوئی تعرض نہیں کرو گے۔ یہ اگرچہ میرے ساتھ نہیں آئے۔ لیکن میرے ہی ساتھ ہیں اگر ان سے چھیڑ چھاڑ کرو گے تو میں تم سے لڑوں گا" یہ سن کر حُر خاموش ہو گیا۔

کوفہ والوں کی حالت

آنے والوں سے آپ نے پوچھا "لوگوں کو کس حال میں چھوڑ آئے ہو؟" انھوں نے جواب دیا "شہر کے سرداروں کو رشوتیں دے کر ملا لیا گیا ہے۔ عوام کے دل آپ کے ساتھ ہیں۔ مگر ان کی تلواریں کل آپ کے خلاف نیام سے نکلیں گی"

آپ کے قاصد کا قتل

اس سے پہلے آپ قیس بن مسہر کو بطور قاصد کے کوفہ بھیج چکے تھے۔ عبید اللہ بن زیاد نے انھیں قتل کر ڈالا تھا۔ مگر آپ کو اطلاع نہ تھی۔ ان لوگوں سے قاصد کا حال پوچھا۔ انھوں نے سارا واقعہ بیان کیا۔ آپ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور فرمایا۔

"منھم من قضیٰ نحبہٗ ومنھم من ینتظر وما بدلو تبدیلاً"

(بعض ان میں سے مر چکے ہیں۔ اور بعض موت کا انتظار کر رہے ہیں۔ مگر حق پر ثابت قدم ہیں۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی ہے)

"خدایا! ہمارے لئے اور ان کے لئے جنت کی راہ کھول دے۔ اپنی رحمت اور ثواب کے دار القرار میں ہمیں اور انہیں جمع کر۔"

طرماح بن عدی کا مشورہ

طرماح بن عدی نے کہا:

"واللہ میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا ہوں۔ مگر آپ کے ساتھ کوئی دکھائی نہیں دیتا۔ اگر صرف یہی لوگ ٹوٹ پڑیں جو آپ کے پیچھے لگے ہوئے ہیں تو خاتمہ ہو جائے۔ میں نے اتنا بڑا انبوہ آدمیوں کا کوفہ کے عقب میں دیکھا ہے جتنا کسی ایک مقام پر کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یہ سب اس لئے جمع کئے گئے ہیں کہ ایک حسین سے لڑیں۔ میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ اگر ممکن ہو تو ایک بالشت بھی آگے نہ بڑھئے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ایسی جگہ پہنچ جائیں جہاں دشمنوں سے بالکل امن ہو تو میرے ساتھ چلے چلئے۔ میں اپنے پہاڑ "آجا" میں آپ کو اتاروں گا۔ واللہ وہاں دس دن بھی نہ گزریں گے کہ قبیلہ طے کے ۲۰ ہزار بہادر تلواریں لئے آپ کے سامنے کھڑے ہو جائیں گے۔ واللہ جب تک ان کے دم میں دم رہے گا آپ کی طرف کوئی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھ سکے گا۔"

آپ نے جواب دیا۔

"خدا تمھیں جزائے خیر دے۔ لیکن ہمارے اور اُن کے مابین ایک عہد ہو چکا ہے ہم اس کی موجودگی میں ایک قدم نہیں اٹھا سکتے۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ہمارا ان کا معاملہ کس حد پر پہنچ کر ختم ہو گا۔" (ایضاً)

خواب

اب آپ کو یقین ہو چلا تھا کہ موت کی طرف جا رہے ہیں "قصر بنی مقاتل" نامی مقام سے کوچ کے وقت آپ اونگھ گئے تھے۔ پھر چونک کر باآواز بلند کہنے لگے "انا للہ وانا الیہ راجعون"

"الحمد للہ رب العالمین" تین مرتبہ یہی فرمایا۔ آپ کے صاحبزادے علی اکبر نے عرض کیا "یہ انا للہ اور الحمد للہ کیوں؟"

فرمایا "جانِ پدر! ابھی اونگھ گیا تھا۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سوار کہتا چلا آرہا ہے لوگ چلتے ہیں اور موت اُن کے ساتھ چلتی ہے۔ میں سمجھ گیا کہ یہ ہماری ہی موت کی خبر ہے جو ہمیں سُنائی جارہی ہے۔"

علی اکبر نے کہا۔ "خدا آپ کو روزِ بد نہ دکھلائے! کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟" فرمایا "بے شک ہم حق پر ہیں۔" اس پر وہ بے اختیار پکار اُٹھے "اگر ہم حق پر ہیں تو پھر موت کی کوئی پروا نہیں۔"

یہی وہ آپ کے صاحبزادے ہیں جو میدانِ کربلا میں شہید ہوئے اور علی الاکبر کے لقب سے مشہور ہیں۔

(ابن جریر، شرح نہج البلاغۃ، امالی سید مرتضیٰ وغیرہ ذالک)

ابن زیاد کا خط

صبح آپ پھر سوار ہوئے۔ اپنے ساتھیوں کو پھیلانا شروع کیا۔ مگر حُر بن یزید اُنھیں پھیلنے سے روکتا رہا۔ باہم دیر تک کشمکش جاری رہی۔ آخر کوفہ کی طرف سے ایک سوار آتا دکھائی دیا یہ ہتھیار بند تھا۔ حضرت حسینؑ کی طرف سے اس نے منہ پھیر لیا مگر حر کو سلام کیا۔ اور ابن زیاد کا خط پیش کیا۔ خط کا مضمون یہ تھا:۔

"حسین کو کہیں ٹکنے نہ دو۔ کھلے میدان کے سوا کہیں اُترنے نہ دو۔ قلعہ بند یا شاداب مقام میں پڑاؤ نہ ڈال سکے۔ میرا یہ قاصد تمھارے ساتھ رہے گا اور دیکھتا رہے گا کہ تم کہاں تک میرے حکم کی تعمیل کرتے ہو۔"

حُر نے خط کے مضمون سے حضرت امام کو آگاہ کیا۔ اور کہا "اب میں مجبور ہوں۔ آپ کو بے آب و گیاہ کھلے میدان ہی میں اترنے کی اجازت دے سکتا ہوں۔"

زہیر بن قین نے حضرت سے عرض کیا۔ "ان لوگوں سے لڑنا اس فوج گراں سے لڑنے کے مقابلہ میں کہیں آسان ہے جو بعد میں آئے گی۔"

مگر آپ نے لڑنے سے انکار کر دیا "میں اپنی طرف سے لڑائی میں پہل نہیں چاہتا۔" زہیر نے کہا۔ "تو پھر اس سامنے کے گاؤں میں چل کر اُتریئے جو فرات کے کنارے ہے اور قلعہ بند ہو جانا چاہیئے۔"

آپ نے پوچھا "اس کا نام کیا ہے؟" زہیر نے کہا "عقر" (عقر کے معنی ہیں کاٹنا یا بے ثمر و نتیجہ ہونا) یہ سن کر آپ منغض ہو گئے اور کہا "عقر سے خدا کی پناہ!" (ایضاً)

کربلا میں ورود

آخر آپ ایک اُجاڑ سرزمین پر پہنچ کر اُتر پڑے "پوچھا اس سرزمین کا کیا نام ہے؟" "معلوم ہوا" "کربلا" "آپ نے فرمایا" "یہ کرب اور بلا ہے" یہ مقام دریا سے دور تھا۔ دریا اور اس میں ایک پہاڑی حائل تھی۔

(الامامۃ والسیاسۃ)

عمرو بن سعد کی آمد

دوسرے دن عمر بن سعد بن ابی وقاص کوفہ والوں کی چار ہزار فوج لے کر پہنچا۔ عبید اللہ بن زیاد نے عمرو کو زبردستی بھیجا تھا۔ عمرو کی خواہش تھی کسی طرح اس امتحان سے بچ نکلے اور معاملہ رفع دفع ہو جائے۔ اُس نے آتے ہی حضرت حسین ؓ کے پاس قاصد بھیجا اور دریافت کیا "آپ کیوں تشریف لائے؟" آپ نے وہی جواب دیا جو حُر بن یزید کو دے چکے تھے "تمہارے اس شہر کے لوگوں ہی نے مجھے بلایا ہے۔ اب اگر وہ مجھے ناپسند کرتے ہیں تو میں لوٹ جانے کے لئے تیار ہوں"

ابن زیاد کی سختی

عمرو بن سعد کو اس جواب سے خوشی ہوئی اور اُمید بندھی کہ یہ مصیبت ٹل جائے گی چنانچہ عبید اللہ بن زیاد کو خط لکھا۔ خط پڑھ کر ابن زیاد نے کہا۔

الآن اذ علقت مخالبنا بہ   یرجوا النجات، ولات حین مناص

(اب کہ ہمارے پنجے میں آ پھنسا ہے چاہتا ہے کہ نجات پائے مگر اب واپسی اور نکل بھاگنے کا وقت نہیں رہا۔)

پھر جواب لکھوایا:۔

"حسین ؓ سے کہو پہلے اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ یزید بن معاویہ کی بیعت کریں پھر ہم دیکھیں گے ہمیں کیا کرنا ہے۔ حسین اور اُن کے ساتھیوں تک پانی نہ پہنچنے پائے۔ وہ پانی کا ایک قطرہ بھی پینے نہ پائیں۔ جس طرح عثمان بن عفان پانی سے محروم رہے تھے"

پانی پر تصادم

عمرو بن سعد نے مجبوراً پانسو سپاہی گھاٹ کی حفاظت کے لئے بھیج دیئے اور آپ اور آپ کے ساتھیوں پر پانی بند ہو گیا۔ اس پر

آپ نے اپنے بھائی عباس بن علی کو حکم دیا کہ ۳۰ سوار اور ۲۰ پیادے لے کر جائیں اور پانی بھرلائیں۔ یہ پہنچے تو محافظ دستے کے افسر عمرو بن الحجاج نے روکا باہم مقابلہ ہوا لیکن آپ چالیس مشکیں پانی کی بھرلائے۔

عمرو بن سعد سے ملاقات

شام کو حضرت حسینؑ نے عمرو بن سعد کو کہلا بھیجا۔ آج رات مجھ سے ملاقات کرو۔ چناں چہ دونوں بیس بیس سوارے کر اپنے پڑاؤ سے نکلے اور درمیانی مقام میں ملے۔ تخلیہ میں بہت رات گئے تک باتیں ہوتی رہیں۔ راوی کہتا ہے گفتگو بالکل خفیہ تھی۔ لیکن لوگوں میں یہ مشہور ہوگیا کہ حضرت امام نے عمرو سے کہا تھا "ہم تم دونوں اپنے اپنے لشکر یہیں چھوڑ کر یزید کے پاس روانہ ہو جائیں"۔ عمرو نے کہا "اگر میں ایسا کروں گا تو میرا گھر کھدوا ڈالا جائے گا"۔

آپ نے فرمایا "میں بنا دوں گا"۔ عمرو نے کہا "میری تمام جائداد ضبط کرلی جائے گی"۔ آپ نے فرمایا "میں اپنی حجاز کی جائداد سے اس کا معاوضہ دے دوں گا" مگر عمرو نے منظور نہیں کیا۔

(ابن جریر وغیرہ)

تین شرطیں

اس کے بعد بھی تین چار مرتبہ باہم ملاقاتیں ہوئیں۔ آپ نے تین صورتیں پیش کیں۔

۱۔ مجھے وہیں لوٹ جانے دو جہاں سے آیا ہوں۔

۲۔ مجھے خود یزید سے اپنا معاملہ طے کرلینے دو۔

۳۔ مجھے مسلمانوں کی کسی سرحد پر بھیج دو۔ وہاں کے لوگوں پر جو گزرتی ہے وہ مجھ پر گزرے گی۔

عمرو کا خط

بار بار کی گفتگو کے بعد عمرو بن سعد نے ابن زیاد کو پھر لکھا۔ "خدا نے فتنہ ٹھنڈا کر دیا۔ پھوٹ دور کر دی۔ اتفاق پیدا کر دیا۔ اُمت کا معاملہ درست کر دیا۔ حسین مجھ سے وعدہ کر گئے ہیں کہ وہ، ان تمام صورتوں میں سے کسی ایک کے لئے تیار ہیں۔ اس میں تمھارے لئے بھی بھلائی ہے اور اُمت کے لئے بھی بھلائی ہے"۔

شمر کی مخالفت ابنِ زیاد نے خط پڑھا تو متاثر ہو گیا۔ عمرو بن سعد کی تعریف کی اور کہا۔ "میں نے منظور کیا"۔ مگر شمر ذی الجوشن نے مخالفت کی اور کہا "اب کہ حسینؑ قبضے میں آ چکے ہیں اگر بغیر آپ کی اطاعت کے نکل گئے تو عجب نہیں عزت و قوت حاصل کر لیں اور آپ کمزور و عاجز قرار پائیں۔ بہتر یہی ہے کہ اب انھیں قابو سے نکلنے نہ دیا جائے جب تک وہ آپ کی اطاعت نہ کر لیں۔ مجھے معلوم ہوا ہے (ا)حسین اور عمرو رات رات بھر باہم سرگوشیاں کرتے ہیں"۔

ابن زیاد کا جواب ابن زیاد نے یہ رائے پسند کی۔ اور شمر کو خط دے کر بھیجا۔ خط کا مضمون یہ تھا کہ اگر حسین مع اپنے ساتھیوں کے اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دیں تو لڑائی نہ لڑی جائے اور انھیں صحیح سالم میرے پاس بھیج دیا جائے لیکن اگر یہ بات وہ منظور نہ کریں تو پھر جنگ کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ شمر سے کہہ دیا ہے کہ اگر عمرو بن سعد نے میرے حکم پر ٹھیک ٹھیک عمل کیا جب تو تم اس کی اطاعت کرنا ورنہ چاہیئے کہ اسے ہٹا کر خود فوج کی ریاست اپنے ہاتھ میں لے لینا اور حسین کا سر کاٹ کر میرے پاس بھیج دینا۔

ابن زیاد نے اس خط میں عمرو کو سخت تہدید بھی کی تھی۔ میں نے تمھیں اس لئے نہیں بھیجا ہے کہ حسین کو بچاؤ اور میرے پاس سفارشیں بھیجو۔ دیکھو میرا حکم صاف ہے اگر وہ اپنے آپ کو حوالے کر دیں تو صحیح و سالم میرے پاس بھیج دو۔ لیکن اگر انکار کریں تو پھر بے تامل حملہ کرو۔ خون بہاؤ۔ لاش بگاڑ دو کیوں کہ وہ اسی کے مستحق ہیں قتل کے بعد ان کی لاش گھوڑوں سے روندڈالنا۔ کیوں کہ وہ باغی ہیں اور جماعت سے نکل گئے ہیں میں نے عہد کر لیا ہے کہ اگر قتل کروں گا تو یہ ضرور کروں گا۔

اگر تم نے میرے حکم کی تعمیل کی تو انعام و اکرام کے مستحق ہو گے اور اگر نافرمانی کی تو معزول کئے جاؤ گے۔

(ابن جریر وغیرہ)

شمر بن ذی الجوشن اور حضرت حسینؑ شمر بن ذی الجوشن کے متعلق یاد رکھنا چاہئے کہ اس کی پھوپھی ام البنین بنتِ حرام امیر المومنین علی علیہ السلام کی زوجیت میں تھیں۔ اور انہی کے بطن سے ان کے چار صاحبزادے عباس، عبداللہ، جعفر اور عثمان پیدا ہوئے تھے جو اس معرکہ میں امام حسین کے ساتھ

تھے - اس طرح شمر ان چاروں کا اور ان کے واسطے سے حضرت امام حسینؓ کا پھوپھیرا بھائی تھا
اُس نے ابن زیاد سے درخواست کی تھی کہ اُس کے ان عزیزوں کو امان دیدی جائے
اور اس نے منظور کرلیا تھا۔ چناں چہ اُس نے میدان میں چاروں صاحبزادوں کو بلا کر
کہا " تم میرے داد ہیالی ہو۔ تمھارے لئے میں نے امن اور سلامتی کا سامان مہیا کرلیا ہے"
لیکن انھوں نے جواب دیا " افسوس تم پر، تم ہمیں امان دیتے ہو، لیکن فرزندِ
رسول اللہ ؐ کے لئے امان نہیں ہے"
شمر نے ابن سعد کو حاکمِ کوفہ کا خط پہنچا دیا اور وہ طوعاً و کرہاً بخوف عزل آمادہ تعمیل
ہو گیا۔
(ایضاً)

فوج کی ابتدائی حرکت

نمازِ عصر کے بعد عمرو بن سعد نے اپنے لشکر کو حرکت دی
جب قریب پہنچا تو حضرت عباس بیس سواروں کے ساتھ
نمودار ہوئے۔ عمرو نے ان سے کہا کہ " ابن زیاد کا جواب آگیا ہے اور اس کا مضمون یہ ہے"
حضرت عباس واپس لوٹے کہ حضرت حسین کو اس کی اطلاع دیں۔ اس اثنا میں
فریقین کے بعض پُرجوش آدمیوں میں ردوکد ہوئی جُسے راویوں نے محفوظ رکھا ہے۔

دونوں فوجوں میں زبانی ردّوکد

حضرت امام کے طرفداروں میں سے حبیب
بن مظاہر نے کہا " خدا کی نظر میں بدترین
لوگ وہ ہوں گے جو اس کے حضور اس حالت میں پہنچیں گے کہ اس کے نبی کی اولاد اور
اس شہر (کوفہ) کے تہجد گزار عابدوں کے خون سے ان کا ہاتھ رنگین ہوگا"
ابن سعد کی فوج میں سے عروہ بن قیس نے جواب دیا " شاباش! اپنی خوب بڑائی
کرو۔ پیٹ بھر کے اپنی پاکی کا اعلان کرو" زہیر بن القین نے کہا " اے عروہ! خدا
ہی نے ان نفسوں کو پاک کردیا ہے اور ہدایت کی راہ دکھائی ہے۔ خدا سے ڈر۔
اور ان پاک نفسوں کے قتل میں گمراہی کا مددگار نہ بن"
عروہ نے جواب دیا " اے زہیر! تم تو اس خاندان کے حامی نہ تھے۔ کیا آج
سے پہلے تک تم عثمانی (حضرت عثمان کے حامی) نہ تھے؟"

زہیر نے کہا "ہاں یہ سچ ہے۔ میں نے حسین ؑ کو کبھی کوئی خط نہیں لکھا نہ کبھی کوئی قاصد بھیجا۔ لیکن سفر نے ہم دونوں کو یک جا کر دیا ہے۔ میں نے انھیں دیکھا تو رسول اللہ ؐ یاد آ گئے۔ رسول اللہ صلعم کی ان سے محبت یاد آ گئی۔ میں نے دیکھا یہ کتنے قوی دشمن کے سامنے جا رہے ہیں۔ خدا نے میرے دل میں ان کی محبت ڈال دی۔ میں نے اپنے دل میں کہا۔ میں ان کی مدد کروں گا اور اللہ اور اس کے رسول کے اس حق کی حفاظت کروں گا جسے تم نے ضائع کر دیا ہے۔"

امام حسین کو جب ابنِ زیاد کے خط کا مضمون معلوم ہوا تو انھوں نے کہا "اگر ممکن ہو تو آج انہیں ٹال دو، تاکہ آج رات اور اپنے رب کی نماز پڑھ لیں۔ اس سے دعا کریں مغفرت مانگیں۔ کیوں کہ وہ جانتا ہے۔ میں اس کی عبادت کا دلدادہ، اس کی کتاب کا پڑھنے والا ہوں۔"

چناں چہ یہی جواب دیا گیا۔ اور فوج واپس آ گئی۔ (ابن جریر و یعقوبی)

آپ کی حسرت اور اصحاب کی وفاداری

فوج کی واپسی کے بعد رات کو آپ نے اپنے ساتھی جمع کئے اور خطبہ دیا۔

"خدا کی حمد و ستائش کرتا ہوں، رنج و راحت ہر حالت میں اس کا شکر گزار ہوں۔ الٰہی تیرا شکر کہ تو نے ہمارے گھر کو نبوت سے مشرف کیا۔ قرآن کا فہم عطا کیا۔ دین میں سمجھ بخشی اور ہمیں دیکھنے سننے اور عبرت پکڑنے کی قوتوں سے سرفراز فرمایا۔ امّا بعد لوگو! میں نہیں جانتا۔ آج روئے زمین پر میرے ساتھیوں سے افضل اور بہتر لوگ بھی موجود ہیں۔ یا میرے اہلِ بیت سے زیادہ ہمدرد اور غمگسار اہلِ بیت کسی کے ساتھ ہیں اے لوگو! تم سب کو اللہ میری طرف سے جزائے خیر دے۔ میں سمجھتا ہوں کل میرا ان کا فیصلہ ہو جائے گا۔ غور و فکر کے بعد میری رائے یہ ہے کہ تم سب خاموشی سے نکل جاؤ۔ رات کا وقت ہے میرے اہل بیت کا ہاتھ پکڑو اور تاریکی میں ادھر اُدھر چلے جاؤ۔ میں خوشی سے تمھیں رخصت کرتا ہوں۔ میری طرف سے کوئی شکایت نہ ہوگی۔ یہ لوگ صرف مجھے چاہتے ہیں۔ میری جان لے کر تم سے غافل ہو جائیں گے۔"

حضرت زینب کی بے چینی اور آپ کا توصیۂ صبر

حضرت زین العابدین سے روایت ہے کہ جس رات کی صبح میرے والد شہید ہوئے ہیں، میں بیمار تھا۔ میری پھوپھی زینب میری تیمارداری کر رہی تھیں اچانک میرے والد نے خیمہ میں اپنے ساتھیوں کو طلب لیا۔ اس وقت خیمہ میں ابوذر غفاری کے غلام حوی تلوار صاف کر رہے تھے اور میرے والد یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

یا دھر اف لک من خلیل
کم لک بالاشراق والاصیل

اے زمانہ! تیرا برا ہو۔ تو کیسا بے وفا دوست ہے، صبح اور شام تیرے ہاتھوں

من صاحب او طالب قتیل
والدھر لا یقنع بالبدیل

کتنے مارے جاتے ہیں۔ زمانہ کسی کی رعایت نہیں کرتا کسی سے عوض قبول نہیں کرتا

وانما الامر الی الجلیل
وکل حیّ سالک السبیل

اور سارا معاملہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے ہر زندہ موت کی راہ پر چلا جا رہا ہے۔

تین چار مرتبہ آپ نے یہی شعر دہرائے۔ میرا دل بھر آیا۔ آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ مگر میں نے آنسو روک لیے۔ میں سمجھ گیا مصیبت ٹلنے والی نہیں ہے۔ میری پھوپھی نے یہ شعر سنے، وہ بے قابو ہوگئیں، بے اختیار دوڑتی ہوئی آئیں۔ اور شیون و فریاد کرنے لگیں۔

حضرت امامؑ نے یہ حالت دیکھی تو فرمایا۔ "اے بہن یہ کیا حال ہے؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ نفس و شیطان کی بے صبریاں ہمارے ایمان و استقامت پر غالب آجائیں۔"

اُنھوں نے روتے ہوئے کہا۔ "کیوں کر اس حالت پر صبر کیا جائے کہ آپ اپنے ہاتھوں قتل ہو رہے ہیں۔"

آپ نے کہا "مشیت کا ایسا ہی فیصلہ ہے۔"

اس پر اُن کی بے قراریاں اور زیادہ بڑھ گئیں اور شدت غم سے بے حال ہوگئیں۔

یہ دیکھ کر آپ نے ایک طولانی تقریر صبر و اقامت پر فرمائی۔ آپ نے کہا۔ "بہن! خدا کی تعزیت سے تسلی حاصل کر موت دنیا میں ہر زندگی کے لیے ہے۔ آسمان والے بھی ہمیشہ جیتے نہ رہیں گے۔ ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ پھر موت کے خیال سے اس قدر رنج و بیقراری

کیوں ہو؟ دیکھیے ہمارے لئے ہر مسلمان کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اسوۂ حسنہ ہے۔ یہ نمونہ ہمیں کیا سکھاتا ہے؟ ہمیں ہر حال میں صبر وثبات اور توکل و رضا کی تعلیم دیتا ہے۔ چاہیے کہ کسی حال میں بھی اس سے منحرف نہ ہوں۔" (الیعقوبی و ابن جریر)

پوری رات عبادت میں گزار دی

پوری رات آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے نماز استغفار اور دعا و تضرع میں گزار دی۔ راوی کہتا ہے دشمن کے سوار رات بھر ہمارے لشکر کے ارد گرد چکر کاٹتے رہے۔ حضرت حسین بلند آواز سے یہ آیت پڑھ رہے تھے: لَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِیْ لَھُمْ خَیْرٌ لِّاَنْفُسِھِمْ اِنَّمَا نُمْلِیْ لَھُمْ لِیَزْدَادُوْٓا اِثْمًا وَلَھُمْ عَذَابٌ مُّھِیْنٌ۔ مَا کَانَ اللّٰہُ لِیَذَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلٰی مَآ اَنْتُمْ عَلَیْہِ حَتّٰی یَمِیْزَ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ[1] دشمن کے ایک سوار نے یہ آیت سنی تو چلا کر کہنے لگا: "قسم رب کعبہ کی۔ ہم ہی طیب ہیں اور تم سے الگ کر دیئے گئے ہیں۔"

عشرہ کی صبح

جمعہ یا سنیچر کے دن دسویں محرم کو نماز فجر کے بعد عمرو بن سعد اپنی فوج لے کر نکلا۔ حضرت حسینؓ نے بھی اپنے اصحاب کی صفیں قائم کیں۔ ان کے ساتھ صرف ۳۲ سوار اور ۴۰ پیدل کل ۷۲ آدمی تھے۔ میمنہ پر زہیر بن القین کو مقرر کیا۔ علم اپنے بھائی عباس بن علی کے ہاتھ میں دے دیا۔ خیموں کے پیچھے خندق کھود کر اس میں بہت سا ایندھن ڈھیر کر دیا گیا اور آگ جلا دی گئی تاکہ دشمن پیچھے سے حملہ آور نہ ہو سکے۔

شمر کی یاوہ گوئی

فوج سے شمر بن ذی الجوشن گھوڑا دوڑاتا ہوا نکلا۔ آپ کے لشکر کے گرد پھرا اور آگ دیکھ کر چلایا: "اے حسین! قیامت سے پہلے ہی تو نے آگ قبول کر لی۔"

حضرت نے جواب دیا: "اے چرواہے کے لڑکے! تو ہی آگ کا زیادہ مستحق ہے۔"

---

[1] دشمن یہ خیال نہ کریں، کہ ہماری ڈھیل ان کے لئے بھلائی ہے، ہم صرف اس لئے ڈھیل دے رہے ہیں کہ ان کا جرم اور زیادہ ہو جائے۔ خدا مومنین کو اسی حالت میں چھوڑ رکھنے والا نہیں ہے۔ وہ پاک کو ناپاک سے الگ کر دے گا۔

مسلم بن عوسجہ نے عرض کیا "مجھے اجازت دیجئے۔ اسے تیر مار کر ہلاک کر ڈالوں کیونکہ بالکل زد پر ہے۔"

حضرت نے منع کیا۔ "نہیں میں لڑائی میں پہل نہیں کروں گا۔" (ایضاً)

دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیے

دشمن کا رسالہ آگے بڑھتا دیکھ کر آپ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیے "الٰہی! ہر مصیبت میں تجھی پر میرا بھروسہ ہے۔ ہر سختی میں میرا تو ہی پشت پناہ ہے۔ کتنی مصیبتیں پڑیں، دل کمزور ہو گیا۔ تدبیر نے جواب دے دیا۔ دوست نے بے وفائی کی۔ دشمن نے خوشیاں منائیں۔ مگر میں نے صرف تجھی سے التجا کی اور تو نے ہی میری دستگیری کی! تو ہی ہر نعمت کا مالک ہے۔ تو ہی احسان والا ہے۔ آج بھی تجھی سے التجا کی جاتی ہے۔" (شرح نہج البلاغہ)

دشمن کے سامنے خطبہ

جب دشمن قریب آگیا تو آپ نے اونٹنی طلب کی۔ سوار ہوئے قرآن سامنے رکھا اور دشمن کی صفوں کے سامنے کھڑے ہو کر بلند آواز سے یہ خطبہ دیا۔

"لوگو! میری بات سنو۔ جلدی نہ کرو۔ مجھے نصیحت کر لینے دو، اپنا عذر بیان کرنے دو اپنی آمد کی وجہ کہنے دو۔ اگر میرا عذر معقول ہو اور تم اسے قبول کر سکو اور میرے ساتھ انصاف کرو تو یہ تمہارے لئے خوش نصیبی کا باعث ہوگا اور تم میری مخالفت سے باز آجاؤ گے لیکن اگر سننے کے بعد بھی تم میرا عذر قبول نہ کرو اور انصاف کرنے سے انکار کر دو تو پھر مجھے کسی بات سے بھی انکار نہیں۔ تم اور تمہارے ساتھی ایکا کر لو مجھ پر ٹوٹ پڑو، مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو۔ میرا اعتماد ہر حال میں صرف پروردگار عالم پر ہے اور وہی نیکو کاروں کا حامی ہے۔"

آپ کی اہل بیت نے یہ کلام سنا تو شدت تاثیر سے بے اختیار ہو گئیں۔ اور خیمہ سے آہ و بکا کی صدا بلند ہوئی۔ آپ نے اپنے بھائی عباس اور اپنے فرزند علی کو بھیجا تا کہ انھیں خاموش کرائیں اور کہا "ابھی انھیں بہت رونا باقی ہے۔" پھر بے اختیار پکار اٹھے۔ "خدا عباس کی عمر دراز کرے۔" یعنی ابن عباس کی، راوی کہتا ہے یہ جملہ اس لئے آپ کی زبان سے نکل گیا کہ مدینہ میں عبداللہ بن عباس نے عورتوں کو ساتھ لے جانے سے منع کیا تھا۔ مگر آپ

نے اس پر توجہ نہ کی تھی۔ اب ان کا جزع و فزع دیکھا تو عبداللہ بن عباس کی بات یاد آگئی۔ پھر آپ نے از سرِ نو تقریر شروع کی۔

"لوگو! میرا حسب نسب یاد کرو۔ سوچو کہ میں کون ہوں؟ پھر اپنے گریبانوں میں منہ ڈالو اور اپنے ضمیر کا محاسبہ کرو۔ خوب غور کرو کیا تمھارے لئے میرا قتل کرنا اور میری حرمت کا رشتہ توڑنا روا ہے۔ کیا میں تمھارے نبیؐ کی لڑکی کا بیٹا، اس کے عم زاد کا بیٹا نہیں ہوں۔ کیا سیّد الشہدا حمزہ میرے باپ کے چچا نہ تھے! ذوی الجناح حسین جعفرِ طیار میرے چچا نہیں ہیں۔ کیا تم نے رسول اللہؐ کا یہ مشہور قول نہیں سنا کہ آپ میرے اور میرے بھائی کے حق میں فرماتے تھے۔ سیدا شباب اھل الجنۃ (جنت میں نوعمروں کے سردار) اگر میرا یہ بیان سچا ہے اور ضرور سچا ہے کیوں کہ میں نے ہوش سنبھالنے کے بعد سے آج تک جھوٹ نہیں بولا۔ تو بتلاؤ کیا تمھیں برہنہ تلواروں سے میرا استقبال کرنا چاہیئے۔ اگر تم میری بات پر یقین نہیں کرتے تو تم میں ایسے لوگ موجود ہیں جن سے تصدیق کر سکتے ہو۔ جابر بن عبداللہ انصاری سے پوچھو۔ ابو سعید خدری سے پوچھو۔ سہیل بن ساعدی سے پوچھو۔ زید بن ارقم سے پوچھو۔ انس بن مالک سے پوچھو۔ وہ تمھیں بتائیں گے کہ انھوں نے میرے اور میرے بھائی کے بارے میں رسول اللہ صلعم کو یہ فرماتے سنا ہے یا نہیں؟ کیا یہ بات بھی میرا خون بہانے سے نہیں روک سکتی؟۔ واللہ اس وقت روئے زمین پر بجز میرے کسی نبیؐ کی لڑکی کا لڑکا موجود نہیں۔ میں تمھارے نبی کا بلا واسطہ نواسہ ہوں! کیا تم اس لئے مجھے ہلاک کرنا چاہتے ہو کہ میں نے کسی کی جان لی ہے؟ کسی کا خون بہایا ہے۔ کسی کا مال چھینا ہے۔ کہو کیا بات ہے؟۔ آخر میرا قصور کیا ہے؟"

کوفہ والوں کا جواب

آپ نے بار بار پوچھا مگر کسی نے جواب نہیں دیا۔ آخر آپ نے بڑے بڑے کوفیوں کو نام لے کر پکارنا شروع کیا۔

"اے شبث بن ربعی، اے حجاب بن ابجر، اے قیس بن الاشعث، اے یزید بن الحارث! کیا تم نے مجھے نہیں لکھا تھا کہ پھل پک گئے ہیں، زمین سر سبز ہوگئی، نہریں ابل پڑیں، آپ اگر آئیں گے تو اپنی فوجِ جرّار کے پاس آئیں گے۔ جلد آیئے۔"

اس پر ان لوگوں کی زبانیں کھلیں اور انھوں نے کہا "ہرگز نہیں۔ ہم نے تو نہیں

لکھا تھا"۔

آپ چلا اُٹھے۔ "سُبحان اللہ! یہ کیا جھوٹ ہے۔ واللہ تم ہی نے لکھا تھا۔ اس کے بعد آپ نے پھر پکار کر کہا۔ "اے لوگو! جوں کہ اب مجھے تم ناپسند کرتے ہو۔ اس لئے بہتر ہے مجھے چھوڑ دو۔ میں یہاں سے واپس چلا جاتا ہوں"۔

ذلّت منظور نہیں

یہ سُن کر قیس بن الاشعث نے کہا "کیا یہ بہتر نہیں کہ آپ اپنے آپ کو اپنے عم زادوں کے حوالے کر دیں۔ وہ وہی برتاؤ کریں گے جو آپ کو پسند ہے۔ آپ کو ان سے کوئی گزند نہیں پہنچے گا"۔

آپ نے جواب دیا۔ "تم سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہو۔ اے شخص کیا تو چاہتا ہے کہ بنی ہاشم تجھ سے مسلم بن عقیل کے سوا ایک اور خون کا بھی مُطالبہ کریں؟ نہیں، واللہ میں ذلّت کے ساتھ اپنے آپ کو ان کے حوالے نہیں کروں گا"۔ (ابن جریر)

یہ کہہ کر آپ نے اونٹنی بٹھا دی۔ عقبہ بن سمعان کو حکم دیا کہ اس کی کونچیں باندھ دے اور دیکھا کہ دشمن کے لشکر نے اُن کی طرف حرکت شروع کر دی ہے۔

زہیر کا کوفہ والوں سے خطاب

زہیر بن القین اپنا گھوڑا بڑھا کر لشکر کے سامنے پہنچے اور چلائے "اے اہلِ کوفہ! عذاب الٰہی سے ڈرو ہر مسلمان پر اپنے بھائی کو نصیحت کرنا فرض ہے۔ دیکھو اس وقت تک ہم سب بھائی بھائی ہیں۔ ایک ہی دین اور ایک ہی طریقہ پر قائم ہیں جب تک تلواریں نیام سے باہر نہیں نکلتیں تم ہماری نصیحت اور خیر خواہی کے ہر طرح حقدار ہو۔ لیکن تلوار کے درمیان آتے ہی باہمی حرمت ٹوٹ جائے گی اور ہم تم الگ الگ دو گروہ ہو جائیں گے۔ دیکھو خدا نے ہمارا اور تمہارا اپنے نبی کی اولاد کے بارے میں امتحان لینا چاہا ہے۔ ہم تمھیں اہل بیت کی نصرت کی طرف بُلاتے اور سرکش عبید اللہ بن زیاد کی مخالفت پر دعوت دیتے ہیں۔ یقین کرو ان حاکموں سے کبھی تمھیں بھلائی حاصل نہ ہوگی۔ یہ تمھاری آنکھیں پھوڑیں گے۔ تمھارے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے۔ تمھارے چہرے بگاڑ دیں گے۔ تمھیں درختوں کے تنوں میں پھانسی دیں گے۔ اور نیکو کاروں کو چن چن کر قتل کر دیں گے، بلکہ وہ تو کب کا کر بھی چکے ہیں۔ ابھی حجر بن عدی رض،

ہانی بن عروہ وغیرہ کے واقعات اتنے پرانے نہیں ہوئے ہیں، کہ تمھیں یاد نہ رہے ہوں گے۔"

کوفیوں نے یہ تقریر سنی تو زہیر کو برا بھلا کہنے لگے اور ابن زیاد کی تعریف کرنے لگے "بخدا ہم اس وقت تک نہیں ٹلیں گے جب تک حسینؑ اور اُن کے ساتھیوں کو قتل نہ کرلیں یا اُنھیں امیر کے روبرو حاضر نہ کرلیں۔" یہ اُن کا جواب تھا۔

زہیر نے جواب دیا۔ "خیر اگر فاطمہ کا بیٹا سُمیّہ کے چھوکرے (یعنی ابن زیاد) سے کہیں زیادہ تمہاری حمایت اور نصرت کا مستحق ہے تو کم ازکم اولاد رسولؐ کا اتنا تو پاس کرو کہ اسے قتل نہ کرو، اسے اور اس کے عم زاد یزید بن معاویہ کو چھوڑ دو تاکہ آپس میں اپنا معاملہ طے کرلیں میں قسم کھاتا ہوں کہ یزید کو خوش کرنے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ تم حسینؑ کا خون بہاؤ۔"

(ابن جریر و شرح نہج البلاغہ)

حُر بن یزید کی مُوافقت

عدی بن حرملہ سے روایت ہے کہ ابن سعد نے جب فوج کو حرکت دی تو حُر بن یزید نے کہا۔ "خدا آپ کو سنوارے! کیا آپ اس شخص سے واقعی لڑیں گے؟"

ابنِ سعد نے جواب دیا۔ "ہاں واللہ لڑائی! ایسی لڑائی جس میں کم ازکم یہ ہوگا کہ سر کٹیں گے اور ہاتھ شانوں سے اُڑ جائیں گے۔"

حُر نے کہا "کیا ان تین شرطوں میں سے کوئی ایک بھی قابلِ قبول نہیں جو اس نے پیش کی ہیں۔"

ابن سعد نے کہا "بخدا اگر مجھے اختیار ہوتا تو ضرور منظور کرلیتا مگر کیا کروں تمھارا حاکم منظور نہیں کرتا۔"

حُر بن یزید یہ سن کر اپنی جگہ پر لوٹ آیا۔ اس کے قریب خود اس کے قبیلہ کا بھی ایک شخص کھڑا تھا۔ اس کا نام قرّہ بن قیس تھا۔ حُر نے اس سے کہا۔ "تم نے اپنے گھوڑے کو پانی پلا لیا۔"

بعد میں قرّہ کہا کرتا تھا حُر کے اس سوال ہی سے میں سمجھ گیا تھا کہ وہ لڑائی میں شریک ہونا نہیں چاہتا اور مجھے ٹالنا چاہتا ہے تاکہ اس کی شکایت حاکم سے نہ کروں۔ "میں نے

گھوڑے کو پانی نہیں پلایا ہے۔ میں ابھی جاتا ہوں۔" یہ کہہ کر میں دوسری طرف روانہ ہوگیا میرے الگ ہوتے ہی حرؒ نے امام حسینؑ کی طرف آہستہ آہستہ بڑھنا شروع کیا۔

اس کے قبیلہ کے ایک شخص مہاجر بن اوس نے کہا "کیا تم حسین پر حملہ کرنا چاہتے ہو؟" حُر خاموش ہوگیا۔ مہاجر کو شک ہوا کہنے لگا۔

"تمہاری خاموشی مشتبہ ہے۔ میں نے کبھی کسی جنگ میں تمہاری یہ حالت نہیں دیکھی اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ کوفہ میں سب سے بہادر کون ہے؟ تو تمہارے نام کے سوا کوئی نام میری زبان پر نہیں آسکتا۔ پھر یہ تم اس وقت کیا کر رہے ہو؟"

حُر نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"بخدا میں جنت یا دوزخ کا انتخاب کر رہا ہوں۔ واللہ میں نے جنت کا انتخاب کرلیا ہے چاہے مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا جائے۔"

یہ کہا اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر لشکرِ حسینؑ میں پہنچ گیا۔

حضرت حسین کی خدمت میں پہنچ کر کہا "ابن رسول اللہ میں ہی وہ بدبخت ہوں جس نے آپ کو لوٹنے سے روکا۔ راستہ بھر آپ کا پیچھا کیا اور اس جگہ اترنے پر مجبور کیا۔ خدا کی قسم میرے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ آئی کہ یہ لوگ آپ کی شرطیں منظور نہ کریں گے اور آپ کے معاملہ میں اس حد تک پہنچ جائیں گے۔ واللہ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ وہ ایسا کریں گے تو ہرگز اس حرکت کا مرتکب نہ ہوتا۔ میں اپنے قصوروں پر نادم ہوکر توبہ کے لئے آپ کے پاس آیا ہوں۔ میں آپ کے قدموں پر قربان ہوجانا چاہتا ہوں۔ کیا آپ کے خیال میں یہ میری توبہ کے لئے کافی ہوگا؟"

حضرت نے شفقت سے فرمایا۔" ہاں! خدا تمہاری توبہ قبول کرے۔ تجھے بخش دے۔ تیرا نام کیا ہے؟"

اُس نے کہا "حُر بن یزید"

فرمایا "تو حُر یعنی آزاد ہی ہے۔ جیسا کہ تیری ماں نے تیرا نام رکھ دیا ہے۔ تو دنیا میں اور آخرت میں انشاء اللہ حُر ہے۔"

کوفیوں سے حُر کا خطاب

پھر حُر دشمن کی صفوں کے سامنے پہنچا اور کہا "اے لوگو! حسینؑ کی پیش کی ہوئی شرطوں میں سے کوئی شرط منظور کیوں نہیں کر لیتے تاکہ خدا تمہیں اس امتحان سے بچالے؟"

لوگوں نے جواب دیا "یہ ہمارے سردار عمرو بن سعد موجود ہیں۔ جواب دیں گے"

عمرو نے کہا "میری دلی خواہش تھی کہ کاش ان کی شرطیں منظور کر سکتا"

اس کے بعد حُر نے نہایت جوش و خروش سے تقریر کی اور اہلِ کوفہ کو ان کی بدعہدی و غدر پر شرم و غیرت دلائی لیکن اس کے جواب میں انھوں نے تیر برسانا شروع کر دیئے۔ ناچار خیمہ کی طرف لوٹ آیا۔

جنگ کا آغاز

اس واقعہ کے بعد عمرو بن سعد نے اپنی کمان اٹھائی اور لشکر حسینؓ کی طرف یہ کہہ کر تیر پھینکا "گواہ رہو۔ سب سے پہلا تیر میں نے چلایا ہے"

پھر تیر بازی شروع ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد زیاد بن ابیہ اور عبیداللہ بن زیاد کے غلام لیبار اور سالم میدان میں نکلے اور مبارزت طلب کی۔ قدیم طریق جنگ میں مبارزت کا طریقہ تھا۔ کہ فریقین کے لشکر سے ایک ایک جنگ آزما نکلتا اور پھر دونوں باہم دگر پیکار کرتے لشکر حسین سے حبیب بن مظاہر اور بریر بن حضیر نکلنے لگے۔ مگر حضرت حسین نے انھیں منع کیا۔ عبداللہ بن عمیر الکلبی نے کھڑے ہو کر عرض کیا۔ "مجھے اجازت دیجئے" یہ شخص اپنی بیوی کے ساتھ حضرت کی حمایت کے لئے کوفہ سے چل کر آیا تھا۔ سیاہ رنگ تنومند، کشادہ سینہ تھا۔ آپ نے اُس کی صورت دیکھ کر فرمایا "بے شک یہ مرد میدان ہے" اور اجازت دی عبداللہ نے چند پھیروں میں دونوں زیر کر کے قتل کر ڈالے۔ اس کی بیوی ام وہب ہاتھ میں لاٹھی لئے کھڑی تھی۔ اور جنگ کی ترغیب دیتی تھی۔ پھر یکایک اُسے اس قدر جوش آیا کہ میدانِ جنگ کی طرف بڑھنے لگی۔ حضرت حسینؑ یہ دیکھ کر بہت متاثر ہوئے۔

فرمایا "اہل بیت کی طرف سے خدا تمھیں جزائے خیر دے لیکن عورتوں کے ذمہ لڑائی نہیں"

گھٹنے ٹیک کر نیزے سیدھے کر دیئے

اس کے بعد ابنِ سعد کے میمنہ نے حملہ کیا جب بالکل قریب پہنچ گئے۔ تو حضرت کے رفقاء زمین پر گھٹنے ٹیک کر کھڑے ہو گئے اور نیزے سیدھے کر دیئے۔ نیزوں کے منہ پر گھوڑے بڑھ نہ سکے اور لوٹنے لگے۔ حضرت کی فوج نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھایا اور تیر مار کر کئی آدمی قتل اور زخمی کر دیئے۔

عام حملہ

اب باقاعدہ جنگ جاری ہوگئی۔ طرفین سے ایک ایک دو دو جوان نکلتے تھے اور تلوار کے جوہر دکھاتے تھے۔ حسینؓ کے طرف داروں کا پلہ بھاری تھا۔ جو سامنے آتا تھا مارا جاتا تھا۔ میمنہ کے سپہ سالار عمرو بن الحجاج نے یہ حالت دیکھی تو پکار اٹھا ”بیوقوفو! پہلے جان لو کن سے لڑ رہے ہو؟ یہ لوگ جان پر کھیلے ہوئے ہیں۔ تم اسی طرح ایک ایک کر کے مارے جاؤ گے۔ ایسا نہ کرو یہ مٹھی بھر ہیں۔ پتھروں سے ان کو مار سکتے ہو“۔ عمرو بن سعد نے یہ رائے پسند کی اور حکم دیا کہ مبارزت موقوف کی جائے اور عام حملہ شروع ہو۔ چنانچہ میمنہ آگے بڑھا اور کشت و خون شروع ہو گیا۔ ایک گھڑی بعد لڑائی رکی تو نظر آیا کہ حسینی فوج کے نامور بہادر مسلم بن عوسجہ خاک و خون میں پڑے ہیں۔ حضرت حسین دوڑ کر لاش پر پہنچے۔ ابھی سانس باقی تھی۔ آہ بھر کر فرمایا ”مسلم تجھ پر خدا کی رحمت۔ منھم من قضٰی نحبہ ، ومنھم من ینتظر وما بدلوا تبدیلاً۔ مسلم بن عوسجہ اس جنگ میں آپ کی جانب سے پہلے شہید تھے۔

(ابن جریر و کامل)

گھوڑے بیکار ہو گئے

میمنہ کے بعد میسرہ نے یورش کی۔ شمر ذی الجوشن اس کا سپہ سالار تھا۔ حملہ بہت ہی سخت تھا۔ مگر حسینی میسرے نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا۔ اس بازو میں صرف ۳۲ سوار تھے۔ جس طرف ٹوٹ پڑتے تھے۔ صفیں الٹ جاتی تھیں۔ آخر طاقتور دشمن نے محسوس کر لیا کہ کامیابی ناممکن ہے۔ چناں چہ فوراً نئی کمک طلب کی۔ بہت سے سپاہی اور پانسو تیر انداز مدد کو پہنچ گئے۔ انھوں نے آتے ہی تیر برسانا شروع کر دیئے۔ تھوڑی دیر میں حسینی فوج کے تمام گھوڑے بیکار ہو گئے اور سواروں کو پیدل ہو جانا پڑا۔

حُر کی شجاعت

ایوب بن مشرح روایت کرتا ہے کہ حُر بن یزید کا گھوڑا خود میں نے زخمی کیا تھا۔ میں نے اُسے تیروں سے چھلنی کر ڈالا۔ حُر بن یزید زمین پر کود پڑے۔ تلوار ہاتھ میں لئے بالکل شیر ببر معلوم ہوتے تھے۔ تلوار ہر طرف متحرک تھی۔ اور یہ شعر زبان پر تھا۔

ان تعقروا بی فانا ابن الحر　　اشجع من ذی لبد هزبر

اگر تم نے میرا گھوڑا بے کار کر دیا تو کیا ہوا؟ میں شریف کا بیٹا ہوں۔ خوفناک شیر سے بھی زیادہ بہادر ہوں۔

خیمے جلا دیئے

لڑائی اپنی پوری ہولناکی سے جاری تھی۔ اب دوپہر ہو گئی۔ مگر کوئی فوج غلبہ حاصل نہ کر سکی۔ وجہ یہ تھی کہ حسینی فوج نے تمام خیمے ایک جگہ جمع کر دیئے تھے اور دشمن صرف ایک ہی رُخ سے حملہ کر سکتا تھا۔ عمرو بن سعد نے یہ دیکھا تو خیمے اکھاڑ ڈالنے کے لئے آدمی بھیجے۔ حسینی فوج کے صرف ۴، ۵ آدمی مقابلہ کے لئے کافی ثابت ہوئے۔ خیموں کی آڑ سے دشمن کے آدمی قتل کرنے لگے۔ جب یہ صورت بھی ناکامیاب رہی تو عمرو بن سعد نے خیمے جلا ڈالنے کا حکم دیا۔ سپاہی آگ لے کر دوڑے۔ حسینی فوج نے یہ دیکھا تو مضطرب ہوئی۔ مگر حضرت حسینؑ نے فرمایا۔ "کچھ پروا نہیں۔ جلانے دو۔ یہ ہمارے لئے اور بھی زیادہ بہتر ہے اب وہ پیچھے سے حملہ نہیں کر سکیں گے"۔ اور ہوا بھی یہی۔

اُم وہب کا قتل

اسی اثنا میں زہیر بن القین نے شمر پر زبردست حملہ کیا اور اس کی فوج کے قدم اکھاڑ دیئے۔ مگر کب تک؟ ذرا دیر کے بعد پھر دشمن کا ہجوم ہو گیا۔ اب حسینی لشکر کی بے بسی صاف ظاہر تھی۔ بہت سے لوگ قتل ہو چکے تھے حتیٰ کہ عبداللہ بن عمیر کلبی بھی، جس کا ذکر اُوپر ہو چکا ہے قتل ہو چکا تھا۔ اس کی بیوی اُم وہب بھی شہید ہو چکی تھی۔ یہ میدانِ جنگ میں بیٹھی اپنے مقتول شوہر کے چہرے سے مٹی صاف کر رہی تھی اور یہ کہتی جاتی تھی "تجھے جنت مبارک ہو"۔

شمر نے اُسے دیکھا اور قتل کر ڈالا۔

(ابنِ جریر۔ شرح نہج البلاغہ)

نماز پڑھنے نہیں دی

ابو ثمامہ عمرو بن عبد اللہ صائدعلہ نے اپنی بے بسی کی حالت محسوس کی۔ اور جناب حسینؑ سے عرض کیا "دشمن اب بالکل آپ کے قریب آگیا ہے۔ واللہ آپ اس وقت تک قتل ہونے نہیں پائیں گے جب تک میں قتل ہو جاؤں لیکن میری آرزو یہ ہے کہ اپنے رب سے نماز پڑھ کر ملوں جس کا وقت قریب آگیا ہے"

یہ سن کر حضرت نے سر اُٹھایا اور فرمایا "دشمنوں سے کہو ہمیں نماز کی مہلت دیں" مگر دشمنوں نے درخواست منظور نہیں کی اور لڑائی جاری رہی۔

حبیب اور حُر کی شہادت

یہ وقت بہت سخت تھا۔ دشمن نے اپنی پوری قوت لگادی تھی۔ غضب یہ ہوا کہ حسینی میسرہ کے سپہ سالار حبیب بن مظاہر بھی قتل ہو گئے گویا فوج کی کمر ٹوٹ گئی۔ حبیب کے بعد ہی حُر بن یزید کی باری تھی۔ جوش سے یہ شعر پڑھتے ہوئے دشمن کی صفوں میں گھس پڑے۔

لیت لا اقتل حتے اقتلا ولن اصاب الیوم الا معتلا

میں نے قسم کھائی ہے کہ قتل نہیں ہوں گا جب تک قتل نہ کرلوں اور مروں گا تو اسی حال میں مروں گا کہ آگے بڑھ رہا ہوں گا۔

اضربهم بالسیف ضربا مقلا لا ناکلا عنهم ولا مهلا

انھیں تلوار کی کاری ضربوں سے ماروں گا۔ نہ بھاگوں گا نہ دوڑوں گا

زہیر کی شہادت

چند لمحوں کی بات تھی حُر زخموں سے چور ہو کر گرے اور جاں بحق تسلیم ہو گئے۔ اب ظہر کا وقت ختم ہو رہا تھا۔ حضرت نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ نماز پڑھی۔ نماز کے بعد دشمنوں کا دباؤ اور بھی زیادہ بڑھ گیا اس موقعہ پر آپ کے میسرہ کے سپہ سالار زہیر بن القین نے میدان اپنے ہاتھ میں لے لیا اور یہ شعر پڑھتے ہوئے دشمن پر ٹوٹ پڑے۔

انا زهیر وانا ابن القین

اذودهم بالسیف عن حسین

میں زہیر ہوں، ابن القین ہوں، اپنی تلوار کی نوک سے انھیں حسین سے دور کردونگا

صفیں درہم برہم کر ڈالیں۔ پھر لوٹے اور حضرت حسینؑ کے شانے پر ہاتھ مار کر جوش سے یہ شعر پڑھے۔

اقدم ھدیت ھادیا مھدیا　　فالیوم تلقی جدک النبیا

بڑھ خدا نے تجھے ہدایت دی، آج تو اپنے نانا نبیؐ سے ملاقات کرے گا

وحسناً والمرتضیٰ علیاً　　ذوالجناحین الفتی الکمیا

اور حسن سے، علی مرتضیٰ سے، اور بہادر جوان جعفر طیار سے

اسد اللہ الشہید الحیا

اور شہید زندہ اسد اللہ حمزہ سے

پھر دشمن کی طرف لوٹے اور قتل کرتے رہے یہاں تک کہ قتل ہو گئے۔

غفاری بھائیوں کی بہادری

اب آپ کے ساتھیوں نے دیکھا کہ دشمن کو روکنا ناممکن ہے۔ چناں چہ اُنھوں نے طے کیا کہ آپ کے سامنے ایک ایک کر کے قتل ہو جائیں۔ چنانچہ دو غفاری بھائی آگے بڑھے اور لڑنے لگے یہ شعر اُن کی زبان پر تھے۔

قد علمت حقا بنی غفار　　وخندف بعد بنی نزار

بنی غفار اور قبائل نزار نے اچھی طرح جان لیا ہے

لنضربن معشر الفجار　　بکل غضب معارم تبار

کہ ہم بے پناہ شمشیرِ آبدار سے فاجروں کے ٹکڑے اُڑا دیں گے

یا قوم ذودوا عن بنی الاحرار　　بالمشرفی والقنا الخطار

اے قوم! تلواروں اور نیزوں سے شریفوں کی حمایت کر

جابری لڑکوں کی فداکاری

ان کے بعد دو جابری لڑکے سامنے آئے۔ دونوں بھائی تھے۔ زار و قطار رو رہے تھے۔ حضرت نے انھیں دیکھا تو فرمانے لگے "اے میرے بھائی کے فرزندو! کیوں روتے ہو۔ مجھے یقین ہے ابھی چند لمحے بعد تمھاری آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی"۔

اُنھوں نے گریہ سے ٹوٹی ہوئی آواز میں عرض کیا۔" ہم اپنی جان پر نہیں روتے ہم آپ پر روتے ہیں۔ دشمن نے آپ کو گھیر لیا ہے اور ہم آپ کے کچھ بھی کام نہیں آ سکتے پھر دونوں نے بڑی شجاعت سے لڑنا شروع کیا۔ بار بار چلاتے تھے۔" السلام علیک یا ابن رسول اللہ "۔

آپ جواب دیتے تھے۔" وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ" اور وہ دشمن پر ٹوٹ پڑتے تھے۔ آخر دونوں شہید ہو گئے۔

خنظلہ بن اسعد کی شہادت ان کے بعد خنظلہ بن اسعد حضرت کے سامنے آکر کھڑے ہوئے اور باآواز بلند دشمن سے مخاطب ہوئے۔" اے قوم میں ڈرتا ہوں عاد و ثمود کی طرح تمھیں بھی روزِ بد نہ دیکھنا پڑے۔ میں ڈرتا ہوں تم برباد نہ ہو جاؤ۔ اے قوم! حسین کو قتل نہ کرو۔ ایسا نہ ہو خدا تم پر عذاب نازل کر دے "۔ بالآخر یہ بھی شہید ہو گئے۔

علی اکبر کی شہادت غرضکہ یکے بعد دیگرے تمام اصحاب قتل ہو گئے۔ اب بنی ہاشم اور خاندان نبوت کی باری تھی۔ سب سے پہلے آپ کے صاحبزادے علی اکبر میدان میں آئے اور دشمن پر حملہ کیا اُن کا رجزیہ تھا۔

انا علی بن حسین بن علی نحن ورب البیت اولیٰ بالنبی

میں علی بن حسین بن علی ہوں۔ قسم ہے رب کعبہ کی۔ ہم نبی کے زیادہ حقدار ہیں

تاللہ لا یحکم فینا ابن الدعی

قسم ہے خدا کی نامعلوم باپ کے لڑکے کا بیٹا ہم پر حکومت نہیں کر سکے گا

بڑی شجاعت سے لڑے آخر مرہ بن منقد العبدی کی تلوار سے شہید ہو گئے۔ ایک راوی کہتا ہے میں نے دیکھا خیمہ سے ایک عورت تیزی سے نکلی۔ اتنی حسین تھی جیسے اٹھتا ہوا سورج وہ چلا رہی تھی۔ آہ! بھائی! آہ بھتیجے! میں نے پوچھا یہ کون ہے۔ لوگوں نے کہا زینب بنت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "۔ لیکن حضرت حسینؑ نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور خیمے میں پہنچا آئے۔ پھر علی کی لاش اٹھائی اور خیمے کے سامنے لاکر رکھ دی۔ (ایضاً)

ایک جوان رعنا

ان کے بعد اہل بیت اور بنی ہاشم کے دوسرے جانفروش قتل ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ میدان میں ایک جوان رعنا نمودار ہوا۔ وہ کُرتہ پہنے، تہ بند باندھے، پاؤں میں نعل پہنے تھا۔ بائیں نعل کی ڈوری ٹوٹی ہوئی تھی۔ وہ اس قدر حسین تھا کہ اس کا چہرہ چاند کا ٹکڑا معلوم ہوتا تھا۔ شیر کی طرح بپھرتا ہوا آیا اور دُشمن پر ٹوٹ پڑا۔ عمرو بن سعد ازدی نے اس کے سر پر تلوار ماری، نوجوان چلاّیا۔
”ہائے چچا“۔ اور زمین پر گر پڑا۔ آواز سنتے ہی حضرت حسینؑ بھوکے باز کی طرح ٹوٹے اور غضب ناک شیر کی طرح قاتل پر لپکے۔ بے پناہ تلوار کا وار کیا۔ قاتل نے ہاتھ اٹھا دیا مگر ہاتھ کہنی سے کٹ کر اُڑ چکا تھا۔ زخم کھا کر قاتل نے پکارنا شروع کیا۔ فوج اسے بچانے کے لئے ٹوٹ پڑی۔ مگر گھبراہٹ میں بچانے کے بجائے اُسے روند ڈالا۔

راوی کہتا ہے کہ جب غبار چھٹ گیا تو کیا دیکھتا ہوں حضرت حسینؑ لڑکے کے سرہانے کھڑے ہیں، وہ ایڑیاں رگڑ رہا ہے۔ اور آپ فرماتے ہیں ”ان کے لئے ہلاکت، جنھوں نے تجھے قتل کیا ہے۔ قیامت کے دن تیرے نانا کو یہ کیا جواب دیں گے۔ بخدا تیرے چچا کے لئے یہ سخت حسرت کا مقام ہے تو اُسے پکارے اور وہ تجھے جواب نہ دے۔ یا جواب دے مگر تجھے اس کی آواز نفع نہ پہنچا سکے۔ افسوس تیرے چچا کے دشمن بہت ہو گئے اور دوست باقی نہ رہے“۔ پھر لاش اپنی گود میں اٹھالی۔ لڑکے کا سینہ آپ کے سینے سے ملا ہوا تھا۔ اور پاؤں زمین پر رگڑتے جاتے تھے۔ اس حال سے آپ اُسے لائے اور علی اکبر کی لاش کے پہلو میں لٹا دیا۔ راوی کہتا ہے ”میں نے لوگوں سے پوچھا۔ یہ کون ہے؟“ لوگوں نے بتایا ”قاسم بن حسن بن علی بن ابی طالب“۔

مولود تازہ کی شہادت

حضرت حسینؑ پھر اپنی جگہ کھڑے ہو گئے۔ عین اس وقت آپ کے یہاں لڑکا پیدا ہوا۔ وہ آپ کے پاس لایا گیا۔ آپ نے اسے گود میں رکھا اور اس کے کان میں اذان دینے لگے۔ اچانک ایک تیر آیا اور بچے کے حلق میں پیوست ہو گیا۔ بچے کی رُوح اسی وقت پرواز کر گئی۔ آپ نے تیر اس کے حلق سے کھینچ کر نکالا۔ خون سے چلو بھرا اور اس کے جسم پر ملنے اور فرمانے لگے۔ ”واللہ تو خدا کی

نظر میں حضرت صالحؑ کی اونٹنی سے زیادہ عزیز ہے اور محمدؐ خدا کی نظر میں صالحؑ سے زیادہ افضل ہیں۔
الٰہی اگر تو نے ہم سے اپنی نصرت روک لی ہے تو وہی کر جس میں ہماری بہتری ہے۔"

(ایوبی و ابن جریر وغیرہ)

بنی ہاشم کے مقتول

اسی طرح ایک ایک کر کے اکثر بنی ہاشم اور اہلِ بیت شہید ہو گئے۔ ان میں سے ذیل کے نام مؤرخین نے محفوظ رکھے ہیں۔

۱۔ محمد ابی سعید بن عقیل۔ ۲۔ عبداللہ بن مسلم بن عقیل۔ ۳۔ عبداللہ بن عقیل۔ ۴۔ عبدالرحمان بن عقیل۔ ۵۔ جعفر بن عقیل۔ ۶۔ محمد بن عبداللہ بن جعفر۔ ۷۔ عون بن عبداللہ بن جعفر ۸۔ عباس بن علی۔ ۹۔ عبداللہ بن علی۔ ۱۰۔ عثمان بن علی۔ ۱۱۔ محمد بن علی۔ ۱۲۔ ابوبکر بن علی ۱۳۔ ابوبکر بن الحسن۔ ۱۴۔ عبداللہ بن الحسن۔ ۱۵۔ قاسم بن الحسن۔ ۱۶۔ علی بن الحسین۔ ۱۷۔ عبداللہ بن الحسین۔

ایک بچّے کی شجاعت

ان سب کے بعد اب خود آپ کی باری تھی۔ آپ میدان میں تنہا کھڑے تھے۔ دشمن یلغار کر کے آتے تھے مگر وار کرنے کی ہمت نہ پڑتی تھی، ہر ایک کی خواہش تھی کہ اس قتل کا گناہ دوسرے کے سر ڈالے مگر شمر بن ذالجوشن نے لوگوں کو برانگیختہ کرنا شروع کیا۔ ہر طرف سے آپ کو گھیر لیا گیا۔ اہلِ بیت کے خیمے میں عورتیں اور چند کم عمر لڑکے رہ گئے تھے۔ اندر سے ایک لڑکے نے آپ کو اس طرح گھرا دیکھا تو جوش سے بیخود ہو گیا۔ اور خیمہ کی لکڑی لے کر دوڑ پڑا۔ راوی کہتا ہے کہ اس کے کانوں میں دُر پڑے ہل رہے تھے۔ یہ گھبرایا ہوا دائیں بائیں دیکھتا چلا گیا۔ حضرت زینب کی نظر پڑ گئی۔ دوڑ کر پکڑ لیا۔ حضرت حسینؑ نے بھی دیکھ لیا اور بہن سے کہا "روکے رکھو آنے نہ پائے۔" مگر لڑکے نے زور کر کے اپنے آپ کو چھڑا لیا اور حضرت کے پہلو میں پہنچ گیا عین اسی وقت بحر بن کعب نے آپ پر تلوار اُٹھائی۔ لڑکے نے فوراً ڈانٹ بتائی "او خبیث! میرے چچا کو قتل کرے گا۔" سنگ دل حملہ آور نے اپنی بلند تلوار لڑکے پر چھوڑ دی۔ اس نے ہاتھ پر روکی۔ ہاتھ کٹ گیا۔ ذرا سی کھال لگی رہ گئی۔ بچّہ تکلیف سے چلا آیا۔ حضرت نے اسے سینے سے چمٹا لیا اور فرمایا "صبر کر اسے ثواب خداوندی کا ذریعہ بنا۔ اللہ تعالیٰ تجھے بھی

تیرے صالح بزرگوں تک پہنچا دے گا۔ رسول اللہ صلعم، علی بن ابی طالب، حمزہ رضؓ، جعفرؓ اور حسنؓ بن علی تک "۔

حضرت حسینؓ کی شہادت

اب آپ پر ہر طرف سے نرغہ شروع ہوا۔ آپ نے بھی تلوار چلانا شروع کی۔ پیدل فوج پر ٹوٹ پڑے اور تن تنہا اس کے قدم اکھاڑ دیئے۔ عبداللہ بن عمار، جو خود اس جنگ میں شریک تھا روایت کرتا ہے کہ میں نے نیزے سے حضرت حسین پر حملہ کیا اور ان کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ اگر میں چاہتا تو قتل کر سکتا تھا۔ مگر یہ خیال کر کے ہٹ گیا کہ یہ گناہ اپنے سر کیوں لوں۔ میں نے دیکھا دائیں بائیں ہر طرف سے ان پر حملے ہو رہے تھے۔ لیکن وہ جس طرف بھی مڑ جاتے تھے دشمن کو بھگا دیتے تھے۔ وہ اس وقت کرتہ پہنے اور عمامہ باندھے تھے۔ واللہ میں نے کبھی کسی شکستہ دل کو جس کا گھر خود اس کی آنکھوں کے سامنے قتل ہو گیا ہو ایسا شجاع، ثابت قدم، مطمئن اور جری نہیں دیکھا۔ حالت یہ تھی کہ دائیں بائیں سے دشمن اس طرح بھاگ کھڑے ہوئے تھے جس طرح شیر کو دیکھ کر بکریاں بھاگ کھڑی ہوتی ہیں۔ دیر تک یہی حالت رہی۔ اسی اثنا میں آپ کی بہن زینب بنتِ فاطمہ (علیہا السلام) خیمہ سے باہر نکلیں۔ ان کے کانوں میں بالیاں پڑی تھیں۔ وہ چلاتی تھیں "کاش آسمان زمین پر ٹوٹ پڑے"۔ یہ وہ موقعہ تھا جبکہ عمرو بن سعد حضرت حسین کے بالکل قریب ہو گیا تھا۔ حضرت زینب نے پکار کر کہا "اے عمرو! کیا ابو عبداللہ تمہاری آنکھوں کے سامنے قتل ہو جائیں گے"۔ عمرو نے منہ پھیر لیا مگر اس کے رخسار اور داڑھی پر آنسوؤں کی لڑیاں بہنے لگیں۔

آپ کے حلق میں تیر پیوست ہو گیا

لڑائی کے دوران آپ کو بہت سخت پیاس لگی۔ آپ پانی پینے فرات کی طرف چلے مگر دشمن کب جانے دیتا تھا۔ اچانک ایک تیر آیا اور آپ کے حلق میں پیوست ہو گیا۔ آپ نے تیر کھینچ لیا۔ پھر آپ نے ہاتھ منہ کی طرف اٹھائے تو دونوں چلو خون سے بھر گئے۔ آپ نے خون آسمان کی طرف اچھالا اور خدا کا شکر ادا کیا۔ الٰہی میرا شکوہ تجھی سے ہے۔ دیکھ تیرے رسول کے نواسے سے کیا برتاؤ ہو رہا ہے۔

ع تو نیز بر سرِ بام آ چہ خوش تماشا ئیست

شمر کو سرزنش پھر آپ اپنے خیمے کی طرف لوٹنے لگے۔ تو شمر اور اس کے ساتھیوں نے یہاں بھی تعرض کیا۔ حضرت نے محسوس کیا کہ ان کی نیت خراب ہے۔ خیمہ لوٹنا چاہتے ہیں۔ فرمایا "اگر تم میں دین نہیں اور تم روزِ آخرت سے ڈرتے نہیں تو کم از کم دنیاوی شرافت پر تو قائم رہو۔ میرے خیمے کو اپنے جاہلوں اور اوباشوں سے محفوظ رکھو۔"

شمر نے جواب دیا۔ "اچھا ایسا ہی کیا جائے گا اور آپ کا خیمہ محفوظ رہے گا۔"

آخری تنبیہ اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ راوی کہتا ہے کہ دشمن اگر چاہتا تو آپ کو بہت پہلے قتل کر ڈالتا مگر یہ گناہ کوئی بھی اپنے سر نہ لینا چاہتا تھا۔ آخر شمر بن ذی الجوشن چلایا۔ "تمھارا برا ہو اکیا انتظار کرتے ہو۔ کیوں کام تمام نہیں کرتے ؟"

اب پھر ہر طرف سے نرغہ ہوا آپ نے پکار کر کہا "کیوں میرے قتل پر ایک دوسرے کو اُبھارتے ہو؟ واللہ میرے بعد کسی دوسرے بندے کے قتل پر بھی خدا اتنا ناخوش نہ ہو گا جتنا میرے قتل پر ناخوش ہو گا۔"

شہادت مگر اب وقت آ چکا تھا۔ زُرعہ بن شریک تمیمی نے آپ کے بائیں ہاتھ کو زخمی کیا پھر شانے پر تلوار ماری۔ آپ کمزوری سے لڑکھڑائے لوگ ہیبت سے پیچھے ہٹے مگر سنان بن انس نخعی نے بڑھ کر نیزہ مارا اور آپ زمین پر گر پڑے۔ اُس نے ایک شخص سے کہا۔ "سر کاٹ لے۔" وہ سر کاٹنے کے لئے لپکا۔ مگر جرأت نہ ہوئی۔ سنان بن انس نے دانت پیس کر کہا "خدا تیرے ہاتھ شل کر ڈالے!" پھر جوش سے اُترا۔ آپ کو ذبح کیا اور سر تن سے جُدا کر دیا۔

جعفر بن علی سے مروی ہے کہ قتل کے بعد دیکھا گیا کہ آپ کے جسم پر نیزے کے ۳۳ زخم اور تلوار کے ۳۴ گھاؤ تھے۔

قاتل سنان بن انس قاتل کے دماغ میں کسی قدر فتور تھا۔ قتل کے وقت اس کی عجیب حالت تھی۔ جو شخص بھی حضرت کی نعش کے قریب آتا تھا۔ وہ اس پر حملہ آور ہوتا

تھا۔ وہ ڈرتا تھا کہ کوئی دوسرا ان کا سر نہ کاٹ لے جائے۔ قاتل نے سر کاٹ کر خولی بن یزید اصبحی کے حوالہ کیا اور خود عمرو بن سعد کے پاس دوڑا گیا۔ خیمہ کے سامنے کھڑا ہو کر چلایا۔

اوقر رکابی فضۃ وذھبا　　انا قتلت الملک المحجبا

مجھے سونے چاندی سے لاد دو۔ میں نے بڑا بادشاہ مارا ہے۔

قتلت خیر الناس اُمًّا و اَبًا　　وخیرھم اذ اینسبون نسبا

میں نے اس کو قتل کیا ہے جس کے ماں باپ سب سے افضل ہیں اور جو اپنے نسب میں سب سے اچھا ہے

عمرو بن سعد نے اُسے اندر بُلا لیا۔ اور بہت خفا ہو کر کہنے لگا۔ "واللہ تو مجنون ہے۔" پھر اپنی لکڑی سے اُسے مار کر کہا "پاگل ایسی بات کہتا ہے۔ بخدا اگر عبید اللہ بن زیاد سنتا تو تجھے ابھی مروا ڈالتا!" (ابن جریر)

لوٹ کھسوٹ قتل کے بعد کوفیوں نے آپ کے بدن کے کپڑے تک اُتار لئے۔ پھر آپ کے خیمے کی طرف بڑھے۔ زین العابدین بستر پر بیمار پڑے تھے۔ شمر اپنے چند سپاہیوں کے ساتھ پہنچا اور کہنے لگا "اسے بھی کیوں نہ قتل کر ڈالیں۔" لیکن اس کے بعض ساتھیوں نے مخالفت کی اور کہا "کیا بچوں کو بھی مار ڈالو گے؟"

اسی اثنا میں عمرو بن سعد بھی آگیا اور حکم دیا "کوئی عورتوں کے خیمے میں نہ گھسے۔ اس بیمار کو کوئی نہ چھیڑے۔ جس کسی نے خیمے کا اسباب لوٹا ہو واپس کر دے۔"

زین العابدین نے یہ سُن کر اپنی بیمار آواز سے کہا "عمرو بن سعد خدا تجھے جزائے خیر دے تیری زبان نے ہمیں بچا لیا۔"

نعش روند ڈالی عمرو بن سعد کو حکم تھا کہ حسین کی نعش گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند ڈالے۔ اب اس کا وقت آیا۔ اُس نے پکار کر کہا "اس کام کے لئے کون تیار ہے" دس آدمی تیار ہوئے اور گھوڑے دوڑا کر جسم مبارک روند ڈالا۔

چوں بگزرد نظیری خونیں کفن بہ حشر
خلقے فغاں کنند کہ ایں داد خواہ کیست

اس جنگ میں حضرت حسینؑ کے ۷۲ آدمی مارے گئے اور کوفی فوج کے ۸۸ مقتول ہوئے۔

(ابن جریر۔ کامل یعقوبی)

حضرت زینب نے پامال لاش دیکھی

دوسرے دن عمرو بن سعد نے میدان جنگ سے کوچ کیا۔ اہلِ بیت کی خاتونوں اور بچوں کو ساتھ لے کر کوفہ روانہ ہوگیا۔

قرہ بن قیس (جو شاہد عینی ہے) روایت کرتا ہے کہ ان عورتوں نے جب حضرت حسین اور ان کے لڑکوں اور عزیزوں کی پامال لاشیں دیکھیں تو ضبط نہ کرسکیں اور آہ و فریاد کی صدائیں بلند ہوگئیں۔ میں گھوڑا لے کر ان کے قریب پہنچا۔ میں نے کبھی اتنی حسین عورتیں نہیں دیکھی تھیں۔ مجھے زینب بنتِ فاطمہ (علیہما السلام) کا یہ بَین کسی طرح بھی نہیں بھولتا۔ "اے محمدؐ تجھ پر آسمان کے فرشتوں کا درود و سلام! یہ دیکھ حسینؑ ریگستان میں پڑا ہے۔ خاک و خون سے آلودہ ہے۔ تمام بدن ٹکڑے ٹکڑے ہے۔ تیری بیٹیاں قیدی ہیں۔ تیری اولاد مقتول ہے۔ ہوا ان پر خاک ڈال رہی ہے۔" راوی کہتا ہے دوست دشمن کوئی نہ تھا جو ان کے بَین سے رونے نہ لگا ہو۔

(ابن جریر)

بہتّر سر

پھر تمام مقتولوں کے سر کاٹے گئے۔ کل بہتّر سر تھے۔ شمر بن ذی الجوشن قیس بن الاشعث، عمرو بن الحجاج، عزمرہ بن قیس یہ تمام سر عبیداللہ بن زیاد کے پاس لے گئے۔

حضرت کا سر ابنِ زیاد کے سامنے

حمید بن مسلم (جو خولی بن یزید کے ساتھ حضرت حسینؑ کا سر کوفہ لایا تھا) روایت کرتا ہے کہ حسینؑ کا سر ابن زیاد کے رُوبرو رکھا گیا۔ مجلس حاضرین سے لبریز تھی۔ ابن زیاد کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی، آپ کے لبوں پر مارنے لگا۔

جب اس نے بار بار یہی حرکت کی تو زید بن ارقم صحابی چلا اُٹھے "ان لبوں سے اپنی چھڑی ہٹالے۔ قسم خدا کی، میری ان دونوں آنکھوں نے دیکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہونٹ ان ہونٹوں پر رکھتے تھے اور ان کا بوسہ لیتے تھے۔" یہ کہہ کر وہ زار و

قطار رونے لگے - ابن زیاد خفا ہو گیا "خدا تیری آنکھوں کو رُلائے - واللہ اگر تو بوڑھا ہو کر سٹھیا نہ گیا ہوتا تو ابھی تیری گردن مار دیتا۔"

زید بن ارقم یہ کہتے ہوئے مجلس سے چلے گئے "اے عرب کے لوگو! آج کے بعد سے تم غلام ہو! تم نے ابنِ فاطمہ کو قتل کیا - ابنِ مرجانہ (یعنی عبید اللہ) کو حاکم بنایا - وہ تمہارے نیک انسان قتل کرتا اور شریفوں کو غلام بناتا ہے - تم نے ذلت پسند کرلی — خدا انھیں مارے جو ذلت پسند کرتے ہیں۔"

بعض روایات میں یہ واقعہ خود یزید کی طرف منسوب ہے - مگر صحیح یہ ہے کہ ابن زیاد نے چھڑی ماری تھی -

ابن زیاد اور حضرت زینب

راوی کہتا ہے جب اہلِ بیت کی خاتونیں اور بچے عبید اللہ کے سامنے پہنچے تو حضرت زینب نے نہایت ہی حقیر لباس پہنا ہوا تھا - وہ پہچانی نہیں جاتی تھیں - ان کی کنیزیں انھیں اپنے بیچ میں لئے تھیں - عبید اللہ نے پوچھا "یہ کون بیٹھی ہے؟" انھوں نے کوئی جواب نہیں دیا - تین مرتبہ یہی سوال کیا - مگر وہ خاموش رہیں - آخر ان کی ایک کنیز نے کہا "یہ زینب بنتِ فاطمہ ہیں - عبیدہ اللہ شماتت کی راہ سے چلّایا "اس خدا کی ستائش جس نے تم لوگوں کو رسوا اور ہلاک کیا ہے اور تمہارے نام کو بٹّہ لگایا۔"

اس پر حضرت زینب نے جواب دیا "ہزار ستائش اس خدا کے لئے جس نے ہمیں محمد صلعم سے عزّت بخشی اور ہمیں پاک کیا نہ کہ جیسا تو کہتا ہے - فاسق رسوا ہوتے، فاجروں کے نام کو بٹّہ لگتا ہے۔"

ابنِ زیاد نے کہا "تو نے دیکھا - خدا نے تیرے خاندان سے کیا سلوک کیا۔"

حضرت زینب بولیں - "ان کی قسمت میں قتل کی موت لکھی تھی - اس لئے وہ مقتل میں پہنچ گئے - عنقریب خدا تجھے اور انھیں ایک جگہ جمع کر دے گا - اور تم باہم اس کے حضور سوال و جواب کرلو گے۔"

ابنِ زیاد غضبناک ہوا - اس کا غصہ دیکھ کر عمرو بن حریث نے کہا "خدا امیر کو

سنوارے یہ تو محض ایک عورت ہے۔ عورتوں کی بات کا خیال نہ کرنا چاہیئے۔"

پھر کچھ دیر بعد ابنِ زیاد نے کہا "خدا نے تیرے سرکش سردار اور تیرے اہلِ بیت کے نافرمان باغیوں کی طرف سے میرا دل ٹھنڈا کر دیا۔" اس پر حضرت زینب اپنے تئیں سنبھال نہ سکیں۔ بے اختیار رو پڑیں۔ انھوں نے کہا "واللہ تو نے میرے سردار کو قتل کر ڈالا۔ میرا خاندان مٹا ڈالا، میری شاخیں کاٹ دیں۔ میری جڑ اکھاڑ دی۔ اگر اس سے تیرا دل ٹھنڈا ہو سکتا ہے تو ٹھنڈا ہو جائے۔"

ابن زیاد نے مسکرا کر کہا "یہ شجاعت ہے! تیرا باپ بھی شاہ اور شجاع تھا۔"

زینب نے کہا "عورت کو شجاعت سے کیا سروکار۔ میری مصیبت نے مجھے شجاعت سے غافل کر دیا ہے۔ میں جو کچھ کہہ رہی ہوں یہ تو دل کی آگ ہے۔"

ابن زیاد اور امام زین العابدین

اس گفتگو سے فارغ ہو کر ابن زیاد کی نظریں زین العابدین علی بن حسین پر پڑی۔ یہ بیمار تھے۔ ابنِ زیاد نے اُن سے اُن کا نام پوچھا۔ انھوں نے کہا "علی بن الحسین۔" ابن زیاد نے تعجب پوچھا۔ "کیا اللہ نے علی بن الحسین کو قتل نہیں کر ڈالا۔"

زین العابدین نے کوئی جواب نہیں دیا۔

ابن زیاد نے کہا "بولتا کیوں نہیں؟"

انھوں نے جواب دیا۔ "میرے ایک اور بھائی کا نام بھی علی تھا لوگوں نے غلطی سے اُسے مار ڈالا۔"

ابن زیاد نے کہا "لوگوں نے نہیں خدا نے مارا ہے۔"

اس پر زین العابدین نے یہ آیت پڑھی (اَللّٰهُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اِنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ)[1]

اس پر ابن زیاد چلّایا "خدا تجھے مارے تو بھی انہیں میں سے ہے۔ پھر اس کے بعد ابن زیاد نے چاہا انھیں بھی قتل کر ڈالے لیکن زینب بے قرار ہو کر چیخ اُٹھیں۔ میں تجھے خدا کا واسطہ دیتی ہوں تو اگر مومن ہے تو اور اس لڑکے کو ضروری قتل کرنا چاہتا ہے تو مجھے اسی کے

---

[1] خدا ہی موت کے وقت جان لیتا ہے، کوئی بھی بغیر اس کے اذن کے مر نہیں سکتا۔

ساتھ مار ڈال دے!

امام زین العابدین نے بلند آواز سے کہا "اے ابن زیاد اگر تو ان عورتوں سے ذرا بھی رشتہ سمجھتا ہے تو میرے بعد اُن کے ساتھ کسی متقی آدمی کو بھیجنا جو اسلامی معاشرت کے اُصول پر اُن سے برتاؤ کرے۔" ابن زیاد دیر تک زینب کو دیکھتا رہا۔ پھر لوگوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ "رشتہ بھی کیسی عجیب چیز ہے؟ واللہ مجھے یقین ہے کہ یہ سچے دل سے لڑکے کے ساتھ قتل ہونا چاہتی ہے۔ اچھا لڑکے کو چھوڑ دو یہ بھی اپنے خاندان کی عورتوں کے ساتھ جائے۔"

(ابن جریر، کامل وغیرہ)

ابنِ عفیفؓ کا قتل

اس واقعہ کے بعد ابن زیاد نے جامع مسجد میں شہر والوں کو جمع کیا اور خطبہ دیتے ہوئے اس خدا کی تعریف کی جس نے حق کو ظاہر کیا، حق والوں کو فتح یاب کیا۔ امیرالمومنین یزید بن معاویہ اور ان کی جماعت غالب ہوئی۔ کذاب ابنِ کذاب حسین بن علی اور اس کے ساتھیوں کو ہلاک کر ڈالا۔

یہ سن کر عبداللہ بن عفیف ازدی (جو حضرت علی رضؓ کے مشہور صحابی ہیں اور جنگ جمل و صفین میں زخمی ہو کر اپنی دونوں آنکھیں کھو چکے تھے) کھڑے ہو گئے اور چلائے "خدا کی قسم اے ابن مرجانہ! کذاب ابن کذاب تو تُو ہے۔ نہ کہ حسین بن علی رضؓ" ابن زیاد نے یہ سُن کر انھیں قتل کرا ڈالا۔

یزید کے سامنے

اس کے بعد ابن زیاد نے حضرت حسینؓ کا سر بانس پر نصب کر کے زحر بن قیس کے ہاتھ یزید کے پاس بھیج دیا۔ غار بن ربیعہ کہتا ہے۔ جس وقت زحر بن قیس پہنچا۔ میں یزید کے پاس بیٹھا تھا۔ یزید نے اس سے کہا "کیا خبر ہے؟"

قاصد نے جواب دیا "فتح و نصرت کی بشارت لایا ہوں۔ حسین بن علی اپنے اٹھارہ اہلِ بیت اور ساٹھ حمایتیوں کے ساتھ ہم تک پہنچے۔ ہم نے انھیں بڑھ کر روکا اور مطالبہ کیا کہ اپنے کو ہمارے حوالے کر دیں ورنہ لڑائی لڑیں انھوں نے اطاعت پر لڑائی کو ترجیح دی۔ چناں چہ ہم نے طلوع آفتاب کے ساتھ ہی ان پر حملہ بول دیا۔ جب تلواریں ان کے سروں پر پڑنے لگیں تو اس طرح ہر طرف بھاگنے

اور جھاڑیوں اور گڑھوں میں چھپنے لگے۔ جس طرح کبوتر باز سے بھاگتے اور چھپتے ہیں۔
پھر ہم نے ان سب کا قلع قمع کر دیا۔ اس وقت ان کے رُخسار غبار سے میلے ہو رہے ہیں۔
ان کے جسم دُھوپ کی شدت اور ہوا کی تیزی سے خشک ہو رہے ہیں۔ گِدھوں کی خوراک
بن گئے ہیں۔"

یزید رونے لگا

راوی کہتا ہے یزید نے یہ سُنا تو اس کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ کہنے لگا "بغیر قتل حسین کے بھی میں تمہاری اطاعت سے خوش ہو سکتا تھا۔
ابن سمیہ (یعنی ابن زیاد) پر خدا کی لعنت! واللہ اگر میں وہاں ہوتا تو حسین سے ضرور درگزر کر جاتا۔ خدا حسین کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔" قاصد کو یزید نے کوئی انعام نہیں دیا۔

(ابن جریر، کامل، تاریخ کبیر ذہبی)

یزید کا تأثر

یزید کے غلام قاسم بن عبد الرحمان سے روایت ہے کہ جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور اُن کے اہلِ بیت کے سر یزید کے سامنے رکھے گئے تو اس نے یہ شعر پڑھا:

نفلق ھاما من رجال اعزۃ علینا وھم کانوا اعق اظلما

تلواریں ایسوں کے سر پھاڑتی ہیں، جو ہمیں عزیز ہیں، حالاں کہ دراصل وہی حق فراموش کرنے والے ظالم تھے۔

پھر کہا "واللہ اے حسین! اگر میں وہاں ہوتا تو تجھے ہرگز قتل نہ کرتا۔"

اہل بیت دمشق میں

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سر کے بعد ابن زیاد نے اہلِ بیت کو بھی دمشق روانہ کر دیا۔ شمر بن ذی الجوشن اور محضر بن ثعلبہ اس قافلے کے سردار تھے اور امام زین العابدین راستے بھر خاموش رہے۔ کسی سے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ یزید کے دروازے پر پہنچ کر محضر بن ثعلبہ چلایا "میں امیر المومنین کے پاس فاجر کمینوں کو لایا ہوں۔"

یزید یہ سن کر خفا ہوا کہنے لگا "محضر کی ماں سے زیادہ کمینہ اور شریر بچہ کسی عورت نے نہیں پیدا کیا۔"

یزید اور امام زین العابدین

پھر یزید نے شام کے سرداروں کو اپنی مجلس میں بُلایا۔ اہل بیت کو بھی بٹھایا اور امام زین العابدین سے مخاطب ہوا! "اے علی! تمھارے ہی باپ نے میرا رشتہ کاٹا۔ میرا حق بھلایا، میری حکومت چھیننا چاہی۔ اس پر خدا نے اس کے ساتھ وہ کیا جو تم دیکھ چکے ہو۔"

امام زین العابدین نے اس کے جواب میں یہ آیت پڑھی:

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرٌ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ ۔[1]

یہ جواب یزید کو ناگوار ہوا۔ اُس نے چاہا اپنے بیٹے خالد سے جواب دلوائے۔ مگر خالد کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ تب یزید نے خالد سے کہا "کہتا کیوں نہیں مَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۔[2]

پھر یزید دوسرے بچوں اور عورتوں کی طرف متوجہ ہوا۔ انھیں اپنے قریب بلا کر بٹھایا۔ ان کی ہیئت خراب ہو رہی تھی۔ دیکھ کر متاسف ہوا اور کہنے لگا۔ "خدا ابن مرجانہ کا بُرا کرے اگر اس کا تم سے کوئی رشتہ ہوتا تو تمھارے ساتھ ایسا سلوک نہ کرتا نہ اس حال سے تمھیں میرے پاس بھیجتا۔"

حضرت زینب کی بیباکانہ گفتگو

حضرت فاطمہ بنتِ علی سے مروی ہے کہ "جب ہم یزید کے سامنے بٹھائے گئے تو اس نے ہم پر ترس ظاہر کیا۔ ہمیں کچھ دینے کا حکم دیا۔ بڑی مہربانی سے پیش آیا۔ اسی اثنا میں ایک سُرخ رنگ کا شامی لڑکا کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔ "امیر المومنین! یہ لڑکی مجھے عنایت کر دیجئے۔" اور میری طرف اشارہ کیا۔ اس وقت میں کمسن اور خوب صورت تھی۔ میں خوف سے کانپنے لگی۔ اور

---

[1] تمھاری کوئی مصیبت بھی نہیں جو پہلے سے نہ لکھی گئی ہو۔ یہ خدا کے لئے بالکل آسان ہے یہ اس لئے کہ نقصان پر افسوس نہ کرو۔ اور فائدہ پر مغرور نہ ہو۔ خدا مغروروں اور فخر کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے۔ [2] جو مصیبت بھی آتی ہے خود تمھارے اپنے ہاتھوں آتی ہے اور بہت سی غلطیاں تو خدا معاف کر دیتا ہے۔

اپنی بہن زینب کی چادر پکڑ لی - وہ مجھ سے بڑی تھیں - زیادہ سمجھدار تھیں — جانتی تھیں یہ بات نہیں ہو سکتی - انھوں نے پکار کر کہا" تو کمینہ ہے نہ تجھے اس کا اختیار ہے - نہ اسے (یزید کو) اس کا حق ہے "

اس جرأت پر یزید کو غصہ آ گیا کہنے لگا تو جھوٹ بکتی ہے " واللہ مجھے یہ حق حاصل ہے اگر چاہوں تو ابھی کر سکتا ہوں "

زینب نے کہا " ہرگز نہیں! خدا نے تمھیں یہ حق ہرگز نہیں دیا - یہ بات دوسری ہے کہ تم ہماری ملت سے نکل جاؤ اور ہمارا دین چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کر لو"

یزید اور بھی زیادہ خفا ہوا - کہنے لگا " دین سے تیرا باپ اور بھائی نکل چکا ہے "

زینب نے بلا تامل جواب دیا " اللہ کے دین سے میرے باپ کے دین سے - میرے بھائی کے دین سے - میرے نانا کے دین سے تو نے، تیرے باپ نے، تیرے دادا نے ہدایت پائی ہے "

یزید چلایا " اے دشمن خدا تو جھوٹی ہے "

زینب بولی " تو زبردستی حاکم بن بیٹھا ہے ظلم سے گالیاں دیتا ہے - اپنی قوت سے مخلوق کو دباتا ہے "

حضرت فاطمہ بنت علی کہتی ہیں " یہ گفتگو سن کر شاید یزید شرمندہ ہو گیا کیونکہ پھر کچھ نہ بولا مگر وہ شامی لڑکا پھر کھڑا ہوا اور وہی بات کہی - اس پر یزید نے غضب ناک آواز میں اسے ڈانٹ بتائی - " دور ہو کمبخت! خدا تجھے موت کا تحفہ بخشے "

یزید کا مشورہ

دیر تک خاموشی رہی پھر یزید شامی رؤسا و امراء کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا " ان لوگوں کے بارے میں کیا مشورہ دیتے ہو؟ - بعضوں نے سخت کلامی کے ساتھ بد سلوکی کا مشورہ دیا - مگر نعمان بن بشیر نے کہا " ان کے ساتھ وہی سلوک کیجئے جو رسول اللہ انھیں اس حال میں دیکھ کر کرتے "

حضرت فاطمہ بنت حسین نے یہ سن کر کہا " اے یزید! یہ رسول اللہ کی لڑکیاں ہیں " اس نسبت کے ذکر سے یزید کی طبیعت بھی متاثر ہو گئی - وہ اور درباری اپنے آنسو

نہ روک سکے۔ بالآخر یزید نے حکم دیا کہ ان کے قیام کے لئے علیحدہ انتظام کر دیا جائے۔

یزید کی بیوی کا غم

اس اثناء میں واقعہ کی خبر یزید کے گھر میں عورتوں کو بھی معلوم ہو گئی ہند بنتِ عبد اللہ یزید کی بیوی نے منہ پر نقاب ڈالی اور باہر آکر یزید سے کہا "امیر المومنین کیا حسین بنت فاطمہ بنت رسول اللہ کا سر آیا ہے؟"

یزید نے کہا "ہاں! تم خوب روؤ، بین کرو رسول اللہؐ کے نواسے اور قریش کے اصیل پر ماتم کرو۔ ابن زیاد نے بہت جلدی کی۔ قتل کر ڈالا، خدا اسے بھی قتل کرے۔"

حسین کی اجتہادی غلطی

اس کے بعد یزید نے حاضرینِ مجلس سے کہا "تم جانتے ہو یہ سب کس بات کا نتیجہ ہے؟ یہ حسینؓ کے اجتہاد کی غلطی کا نتیجہ ہے۔ انھوں نے سوچا کہ میرے باپ یزید کے باپ سے افضل ہیں، میری ماں یزید کی ماں سے افضل ہے، میرے نانا یزید کے نانا سے افضل ہیں۔ اور میں خود بھی یزید سے افضل ہوں۔ اس لئے حکومت کا بھی یزید سے زیادہ مستحق ہوں حالاں کہ اُن کا یہ سمجھنا کہ اُن کے والد میرے والد سے افضل تھے صحیح نہیں۔ علی اور معاویہ نے باہم جھگڑا کیا اور دنیا نے دیکھ لیا کہ کس کے حق میں فیصلہ ہوا؟ رہا ان کا یہ کہنا کہ اُن کی ماں میری ماں سے افضل تھی تو بلاشبہ ٹھیک ہے۔ فاطمہ بنتِ رسول اللہؐ میری ماں سے کہیں افضل ہیں۔ اسی طرح ان کے نانا میرے نانا سے افضل تھے۔ تو خدا کی قسم کوئی بھی اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھنے والا رسول اللہ سے افضل بلکہ رسول اللہ کی برابر کسی انسان کو نہیں سمجھ سکتا۔ حسین کے اجتہاد نے غلطی کی، وہ یہ آیت بالکل بھول گئے۔ اَللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

پھر اہلِ بیت کی خاتونیں یزید کے محل میں پہنچائی گئیں۔ خاندانِ معاویہ کی عورتوں نے انھیں اس حال میں دیکھا تو بے اختیار رونے پیٹنے لگیں۔

یزید کی سعی تلافی

پھر یزید آیا تو فاطمہ بنت حسین نے اس سے کہا "اے یزید! کیا رسول اللہ کی لڑکیاں کنیزیں ہو گئیں؟"

یزید نے جواب دیا۔ "اے میرے بھائی کی بیٹی۔ ایسا کیوں ہونے لگا؟"

فاطمہ نے کہا "بخدا ہمارے کان میں ایک بالی بھی نہیں چھوڑی گئی"۔
یزید نے کہا "تم لوگوں کا جتنا گیا ہے۔ اُس سے کہیں زیادہ میں تمھیں دوں گا"۔ چنانچہ جس نے اپنا جتنا نقصان بتایا، اس سے دُگنا تگنا دے دیا گیا۔
یزید کا دستور تھا۔ روز صبح و شام کے کھانے میں علی بن حسین ؑ کو اپنے ساتھ شریک کیا کرتا۔ ایک دن حضرت حسن کے کمسن بچے عمرو کو بھی بلایا اور ہنسی سے کہنے لگا۔ "تو اس سے لڑے گا؟" اور اپنے لڑکے خالد کی طرف اشارہ کیا۔ عمرو بن حسن نے اپنے بچپنے کے بھولے پن سے جواب دیا۔
"یوں نہیں ایک چھُری مجھے دو اور ایک چھُری اِسے دو۔ پھر ہماری لڑائی دیکھو"۔
یزید کھلکھلا کر ہنس پڑا اور عمرو بن حسن کو گود میں اٹھا کر سینے سے لگا لیا اور کہا "سانپ کا بچہ بھی سانپ ہی ہوتا ہے۔!"

یزید کی زود پشیمانی

یزید نے اہل بیت کو کچھ دن اپنا مہمان رکھا۔ اپنی مجلسوں میں ان کا ذکر کرتا اور بار بار کہتا "کیا حرج تھا اگر میں خود تھوڑی سی تکلیف گوارا کر لیتا۔ حسین کو اپنے گھر میں اپنے ساتھ رکھتا۔ ان کے مطالبہ پر غور کرتا۔ اگرچہ اس سے میری قوت میں کمی ہی کیوں نہ ہو جاتی۔ لیکن اس سے رسول اللہ صلعم کے حق اور رشتہ داری کی تو حفاظت ہوتی۔ خدا کی لعنت ابن مرجانہ (یعنی ابن زیاد) پر۔ حسین رض کو جس نے لڑائی پر مجبور کیا حسین رض نے کہا تھا میرے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیں گے یا مسلمانوں کی سرحد پر جا کر جہاد میں مصروف ہو جائیں گے۔ مگر ابن زیاد نے ان کی کوئی بات بھی نہیں مانی اور قتل کر دیا۔ ان کے قتل سے تمام مسلمانوں میں مجھے مبغوض بنا دیا۔ خدا کی لعنت ابن مرجانہ پر، خدا کا غضب ابن مرجانہ پر!"

اہل بیت کو رخصت کرنا

جب اہل بیت کو مدینے بھیجنے لگا تو امام زین العابدین سے ایک مرتبہ اور کہا "ابن مرجانہ پر خدا کی لعنت! واللہ اگر میں حسین رض کے ساتھ ہوتا اور وہ میرے سامنے اپنی کوئی شرط بھی پیش کرتے تو میں اسے ضرور منظور کر لیتا۔ میں اُن کی جان ہر ممکن ذریعے سے بچاتا، اگرچہ ایسا کرنے میں خود میرے کسی بیٹے کی جان چلی جاتی لیکن خدا کو وہی منظور تھا جو ہو چکا۔ دیکھو! مجھ سے برابر خط و کتابت کرتے رہنا۔ جو ضرورت بھی پیش آئے مجھے خبر دینا"۔

بعد میں حضرت سکینہ برابر کہا کرتی تھیں "میں نے کبھی کوئی ناشکر انسان یزید سے زیادہ اچھا سلوک کرنے والا نہیں دیکھا"

اہلِ بیت کی فیاضی

یزید نے اہل بیت کو اپنے ایک معتبر آدمی اور فوج کی حفاظت میں رخصت کر دیا۔ اس شخص نے راستے بھر ان مصیبت زدوں سے اچھا برتاؤ کیا۔ جب منزلِ مقصود پر پہنچ گئے تو حضرت زینب بنتِ علی رض اور حضرت فاطمہ بنتِ حسین رض نے اپنی چوڑیاں اور کنگن اسے بھیجے اور کہا "یہ تمہاری نیکی کا بدلہ ہے۔ ہمارے پاس کچھ نہیں ہے جو ہم تمھیں دیں"

اس شخص نے زیور واپس کر دیئے اور کہلایا۔" واللہ میرا یہ برتاؤ کسی دنیاوی طمع سے نہیں تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خیال سے تھا"

مدینہ میں ماتم

اہل بیت کے آنے سے بہت پہلے مدینہ میں یہ جانگسل خبر پہنچ گئی تھی۔ بنی ہاشم کی خاتونوں نے سنا تو چلاتی ہوئی نکل آئیں۔ حضرت عقیل بن ابی طالب کی صاحبزادی آگے آگے تھیں اور یہ شعر پڑھتی جاتی تھیں۔

ماذا تقولون ان قال النبی لکم ماذا فعلتم وانتم اخر الامم

کیا کہو گے جب نبی تم سے سوال کریں گے کہ اے وہ جو سب سے آخری امت ہے

بعترتی وباھلی بعد مفتقدی منھم اساری ومنھم ضرجوا بدام

تم نے میری اولاد اور خاندان سے میرے بعد کیا سلوک کیا کہ ان میں سے بعض قیدی ہیں اور بعض خون میں نہائے پڑے ہیں

مرثیہ

حضرت حسین کی شہادت پر بہت سے لوگوں نے مرثیے کہے۔ سلیمان بن قتہ کا مرثیہ بہت زیادہ مشہور تھا۔

مررت علی ابیات آل محمد فلم ارھا کعھدھا یوم حلت

میں خاندان محمدؐ کے گھروں کی طرف سے گزرا مگر وہ کبھی روتے نہ تھے جیسے اس دن جب ان کی حرمت توڑی گئی

فلا یبعد اللہ الدیار واھلھا وان اصبحت واھلھا قد تخلت

خدا اُن مکانوں اور مکینوں کو دور نہ کرے۔ اگرچہ وہ اب اپنے مکینوں سے خالی پڑے ہیں۔

وان قتیلا الطف من آل هاشم　　　اذل رقاب المسلمین فذلت

کربلا میں ہاشمی مقتول کے قتل نے مسلمانوں کی گردنیں ذلیل کر ڈالیں۔

وکانوا رجاء ثم صاروا　　　فقد عظمت تلك الرزایا دجلت

ان مقتولوں سے دنیا کی اُمیدیں وابستہ تھیں مگر وہ مصیبت بن گئے۔ آہ یہ مصیبت کتنی بڑی اور سخت ہے

الم تر ان الارض اضحت مریضة　　　لفقد حسین والبلاد اقشعرت

کیا تم نہیں دیکھتے کہ زمین حسین کے فراق میں بیمار ہے اور دنیا کانپ رہی ہے

وقد اعوات تبکی السماء مفقدہ　　　انجمها تاحت علیه وصلت

آسمان بھی اس کی جدائی پر روتا ہے۔ ستارے بھی ماتم اور سلام بھیج رہے ہیں

عمروؓ بن العاص

حضرت عمروؓ بن العاص کی شجاعت، تدبر، فتوحات سے تاریخ کے صفحات لبریز ہیں۔ مصر کی فتح سراسر انہی کے تدبر اور قیادت کا نتیجہ تھی۔ خلافت اموی کے قیام میں انہی کی سیاست کارفرما تھی۔ اپنے عہد کی سیاست میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔ مؤرخین نے اتفاق کیا ہے کہ عرب کی سیاست تین سروں میں جمع ہو گئی تھی۔ عمروؓ بن العاص، معاویہ بن ابی سفیان، زیاد بن ابیہ۔ اتفاق سے یہ تینوں سر مل کر ایک ہو گئے۔ انھوں نے سیاسی حکمت عملیوں سے اسلامی سیاست کا دھارا اس طرف پھیر دیا جدھر وہ پھیرنا چاہتے تھے۔ حضرت علی علیہ السلام اور خلافت راشدہ کے نظام کو صرف امیر معاویہ کی سیاست نے شکست نہیں دی تھی اس میں سب سے زیادہ کارفرما دماغ عمروؓ بن العاص کا تھا۔

ایک ایسے سیاسی مدبر نے موت کا کس طرح خیر مقدم کیا تھا۔ ذیل کی سطروں میں اس کی تفصیل ملے گی۔

ایک عجیب سوال

جب بیماری نے خطرناک صورت اختیار کر لی اور عرب کے اس دانش مند کو زندگی کی کوئی اُمید باقی نہ رہی تو اس نے اپنی فوج خاصہ کے افسر اور سپاہی طلب کئے۔

لیٹے لیٹے ان سے سوال کیا: "میں تمہارا کیسا ساتھی تھا؟"

"سبحان اللہ! آپ نہایت ہی مہربان آقا تھے۔ دل کھول کر دیتے تھے۔ ہمیں خوش رکھتے تھے۔ یہ کرتے تھے۔ وہ کرتے تھے۔"

وہ بڑی سرگرمی اور جوش سے جواب دینے لگے۔

ابن عاص نے یہ سن کر بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "میں یہ سب کچھ صرف اس لئے کرتا تھا کہ تم مجھے موت کے منہ سے بچاؤ گے کیوں کہ تم سب سپاہی تھے اور میدان جنگ میں اپنے سردار کے لئے سپر تھے۔ لیکن یہ دیکھو، موت سامنے کھڑی ہے اور میرا کام تمام کر دینا چاہتی ہے۔ آگے بڑھو اور اسے مجھ سے دور کر دو۔"

سب ایک دوسرے کا حیرت سے منہ تکنے لگے۔ پریشان تھے، کیا جواب دیں۔

"اے ابو عبداللہ!" دیر کے بعد انھوں نے کہا۔ "واللہ ہم آپ کی زبان سے ایسی فضول بات سننے کے ہرگز متوقع نہ تھے۔ آپ جانتے ہیں کہ موت کے مقابلہ میں ہم آپ کے کچھ بھی کام نہیں آسکتے۔"

انھوں نے آہ بھری۔ "واللہ یہ حقیقت میں خوب جانتا ہوں۔" انھوں نے حسرت سے کہا "واقعی تم مجھے موت سے ہرگز نہیں بچا سکتے۔ لیکن اے کاش! یہ بات پہلے سے سوچ لیتا! اے کاش! میں نے تم میں سے ایک آدمی بھی اپنی حفاظت کے لئے نہ رکھا ہوتا۔ ابنِ ابی طالب (حضرت علی رضؓ) کا بھلا ہو کیا ہی خوب کہہ گیا ہے۔ آدمی کی سب سے بڑی محافظ خود اس کی اپنی موت ہے۔" (طبقات ابن سعد)

دیوار کی طرف منہ کر کے رونے لگے

راوی کہتا ہے۔ ہم عمرو بن العاص کی عیادت کو حاضر ہوئے۔ وہ موت کی سختیوں میں مبتلا تھے۔ اچانک دیوار کی طرف منہ پھیر لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ ان کے بیٹے عبداللہ نے کہا "آپ کیوں روتے ہیں؟ کیا رسول اللہؐ آپ کو یہ بشارتیں نہیں دے چکے ہیں۔"

انھوں نے بشارتیں سنائیں لیکن ابن عاص نے روتے ہوئے سر سے اشارہ کیا۔ پھر ہماری طرف منہ پھیرا اور کہنے لگے۔

زندگی کے تین دور

"میرے پاس سب سے افضل دولت لا اِلٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت ہے۔"

"مجھ پر تین حالتیں گزری ہیں۔"

"ایک وقت وہ تھا کہ رسول اللہؐ سے زیادہ میں کسی کی اپنے دل میں دشمنی نہیں رکھتا تھا۔ میری سب سے بڑی تمنا یہ تھی کہ کسی طرح قابو پا کر آپ کو قتل کر ڈالوں۔ اگر میں اس حالت میں مر جاتا تو یقیناً جہنمی مرتا۔"

"پھر ایک وقت آیا۔ جب خدا نے میرے دل میں اسلام ڈال دیا۔ میں رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کیا "یا رسول اللہ ہاتھ بڑھایئے میں بیعت کرتا ہوں۔" آپ نے دستِ مبارک دراز کیا۔ مگر پھر میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ "فرمایا عمرو تجھے کیا ہوا؟" میں نے کہا "ایک شرط چاہتا ہوں۔" فرمایا "کونسی شرط؟" میں نے عرض کیا "یہ شرط کہ میری تشفی ہو جائے"

اس پر ارشاد ہوا۔ "اے عمرو کیا تجھے معلوم نہیں کہ اسلام اپنے سے پہلے کے تمام گناہ مٹا دیتا ہے؟ ہجرت بھی مٹا دیتا ہے حج بھی مٹا دیتا ہے؟"

(یہ ابن عاص کی مشہور روایت ہے جسے شیخین نے بھی روایت کیا ہے)

"اس وقت میں نے اپنا یہ حال دیکھا کہ نہ تو رسول اللہؐ سے زیادہ مجھے کوئی دوسرا انسان محبوب تھا اور نہ رسول اللہؐ سے زیادہ کسی کی عزت میری نگاہ میں تھی۔ میں کہتا ہوں اگر کوئی مجھ سے آپ کا حلیہ پوچھے تو میں بتا نہیں سکتا۔ کیوں کہ انتہائی عظمت و ہیبت کی وجہ سے میں آپ کو نظر بھر کے دیکھ ہی نہیں سکتا تھا۔ اگر میں اس حالت میں مر جاتا تو میرے جنتی ہونے کی پوری امید تھی۔!"

"پھر ایک زمانہ آیا۔ جس میں ہم نے بہت سے اونچ نیچ کام کئے۔ میں نہیں جانتا اب میرا کیا حال ہوگا؟"

مٹی آہستہ آہستہ ڈالنا

"جب میں مروں تو میرے ساتھ رونے والیاں نہ جائیں، نہ آگ جائے۔ دفن کے بعد مجھ پر مٹی آہستہ آہستہ ڈالنا۔ میری قبر سے فارغ ہو کر اس وقت تک میرے قریب رہنا جب تک جانور ذبح کر کے ان کا گوشت تقسیم

نہ ہو جائے، کیونکہ تمہاری موجودگی سے مجھے اُنس حاصل ہوگا پھر میں جان لوں گا کہ اپنے پروردگار کو کیا جواب دوں۔"

(طبقات ابنِ سعد)

بگڑتا زیادہ ہوں بنتا کم ہوں

ہوش و حواس آخری وقت تک قائم تھے۔ معاویہ بن خدیج عیادت کو گئے تو دیکھا نزع کی حالت ہے پوچھا "کیا حال ہے؟"

آپ نے جواب دیا "پگھل رہا ہوں۔ بگڑتا زیادہ ہوں۔ بنتا کم ہوں۔ اس صورت میں بوڑھے کا بچنا کیونکر ممکن ہے۔"

(عقد الفرید و ابن سعد)

حضرت ابن عباس سے سوال

حضرت عبداللہ بن عباس عیادت کو آئے۔ سلام کیا، طبیعت پوچھی۔ کہنے لگے "میں نے اپنی دُنیا کم بنائی۔ مگر دین زیادہ بگاڑ لیا۔ اگر میں نے اسے بگاڑا ہوتا جسے سنوارا ہے اور اسے سنوارا ہوتا جسے بگاڑا، تو یقیناً بازی لے جاتا۔ اگر مجھے اختیار ملے تو ضرور اسی کی آرزو کروں۔ اگر بھاگنے سے بچ سکوں تو ضرور بھاگ جاؤں۔ اس وقت تو میں منجنیق کی طرح آسمان اور زمین کے درمیان معلق ہو رہا ہوں نہ اپنے ہاتھوں کے زور سے اوپر چڑھ سکتا ہوں نہ پیروں کی قوت سے نیچے اُتر سکتا ہوں۔ اے میرے بھتیجے! مجھے کوئی ایسی نصیحت کر جس سے فائدہ اُٹھاؤں۔"

ابن عباسؓ نے جواب دیا "اے ابو عبداللہ! اب وقت کہاں آپ کا بھتیجا تو خود بوڑھا ہو کر آپ کا بھائی بن گیا ہے۔ اگر آپ رونے کے لئے کہیں تو میں رونے کو حاضر ہوں۔ جو مقیم ہے وہ سفر کا کیوں کر یقین کر سکتا ہے؟"

عمروؓ بن العاص یہ جواب سن کر بہت افسردہ ہوئے اور کہنے لگے "کیسی سخت گھڑی ہے۔ کچھ اُوپر اسی برس کا سن اے ابن عباس! تو مجھے پروردگار کی رحمت سے مایوس کرتا ہے۔ الٰہی! یہ ابن عباس ہے جو تیری رحمت سے ناامید کرتا ہے۔ الٰہی! مجھے خوب تکلیف دے یہاں تک کہ تیرا غصہ دُور ہو جائے اور تیری رضامندی لوٹ آئے۔"

ابن عباسؓ نے کہا "ابو عبداللہ! آپ نے جو چیز لی تھی وہ تو نئی تھی اور اب جو دے رہے

ہو وہ چیز پرانی ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے؟"

اس پر وہ آزردہ خاطر ہو گئے "ابن عباس! مجھے کیوں پریشان کرتا ہے۔ جو بات کرتا ہوں اُسے کاٹ دینا ہے۔"

(استیعاب)

موت کی کیفیت عمرو بن العاص زندگی میں اکثر کہا کرتے تھے "مجھے ان لوگوں پر تعجب ہے جن کے موت کے وقت حواس درست ہوتے ہیں مگر موت کی حقیقت بیان نہیں کرتے۔" لوگوں کو یہ بات یاد تھی جب وہ خود اس منزل پر پہنچے تو حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ نے یہ مقولہ یاد دلایا (ایک روایت میں ہے کہ خود ان کے بیٹے نے سوال کیا تھا)، عمرو بن العاص نے ٹھنڈی سانس لی "جانِ من!" اُنھوں نے جواب دیا "موت کی صفت بیان نہیں ہو سکتی۔ موت ناقابلِ بیان ہے۔ لیکن میں صرف اس طرف ایک اشارہ کر سکتا ہوں۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا آسمان زمین پر ٹوٹ پڑا اور میں دونوں کے درمیان پڑ گیا ہوں۔"

(الکامل جلد)

"گویا میری گردن پر رضویٰ پہاڑ رکھا ہے۔ گویا میرے پیٹ میں کھجور کے کانٹے بھر گئے ہیں۔ گویا میری سانس سوئی کے ناکہ سے نکل رہی ہے۔"

(ابن سعد)

دولت سے بیزاری اسی حال میں انھوں نے ایک صندوق کی طرف اشارہ کر کے اپنے بیٹے عبداللہ سے کہا "اسے لے لے۔"

آپ کے بیٹے عبداللہ کا زہد مشہور ہے۔ اُنھوں نے کہا "مجھے اس کی ضرورت نہیں" عمرو نے کہا "اس میں دولت ہے۔"

عبداللہ نے پھر انکار کیا۔ اس پر ہاتھ مل کر کہنے لگے "کاش اس میں سونے کی بجائے بکری کی مینگنیاں ہوتیں۔"

(الکامل جلد ا)

دُعا

جب بالکل آخری وقت آ گیا تو اُنھوں نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا دیئے، مٹھیاں کس لیں اور دُعا کے لئے یہ کلمات زبان پر تھے۔

"الٰہی! تو نے حکم دیا اور ہم نے حکم عدولی کی۔ الٰہی تو نے منع کیا اور ہم نے نافرمانی کی۔ الٰہی! میں بے قصور نہیں ہوں کہ معذرت کروں۔ طاقتور نہیں ہوں کہ غالب آ جاؤں۔ اگر تیری رحمت شامل حال نہ ہوگی تو ہلاک ہو جاؤں گا"

(ابن سعد، الکامل)

اس کے بعد تین مرتبہ کہا لا الٰہ الا اللہ اور جاں بحق تسلیم ہو گئے۔

(ابن سعد)

حجاج بن یوسف

خلافتِ اموی کے حکام میں حجاج بن یوسف سے زیادہ کسی شخص کو شہرت حاصل نہیں ہوئی۔ مگر یہ شہرت عدل اور فیض رسانی کی نہیں تھی۔ سیاست و قہرمانی کی تھی۔ تاریخ اسلام میں حجاج کا قہر ضرب المثل ہو گیا ہے۔ یزید بن معاویہ کی وفات کے بعد اموی سلطنت کی بنیادیں ہل گئی تھیں وہ حجاج ہی تھا جس نے اپنی بے پناہ تلوار سے اور بے روک سفاکی سے از سرِ نو اس کی گری ہوئی عمارت مستحکم کر دی۔

بنی امیہ کے لئے سب سے بڑا خطرہ حضرت عبداللہ بن الزبیر سے تھا۔ ان کی حکومت کا مرکز مکہ میں تھا اور اس کا دائرہ شام کی سرحدوں تک پہنچ گیا تھا۔ حجاج بن یوسف نے یہ خطرہ ہمیشہ کے لئے دور کر دیا۔ مکہ کا محاصرہ کیا، کعبہ پر منجنیقیں لگا دیں۔ اور حضرت عبداللہ بن الزبیر کو نہایت سفاکی سے قتل کر ڈالا۔

عراق شروع سے شورش پسند قبائل کا مرکز تھا۔ یہاں کی سیاسی بے چینی کسی طرح ختم نہ ہوتی تھی۔ والیوں پر والی آتے تھے اور بے بس ہو کر لوٹ جاتے تھے لیکن حجاج بن یوسف کی تلوار نے اپنی ایک ہی ضرب میں عراق کی ساری شورہ پشتی ختم کر دی۔ خود اس عہد کے لوگوں کو اس پر تعجب تھا۔ قاسم بن سلام کہا کرتے تھے "کوفہ والوں کی خودداری اور نخوت اب کیا ہو گئی؟ انھوں نے امیر المومنین علی رض کو قتل کیا، حسین بن علی کا سر کاٹا۔ مختار جیسا صاحب جبروت

ہلاک کردیا۔ مگر اس بدصورت ملعون! (حجاج) کے سامنے بالکل ذلیل ہو کر رہ گئے۔ کوفے میں ایک لاکھ عرب موجود ہیں۔ مگر یہ خبیث ۱۲ اسوار لے کر آیا اور سب کو غلام بنا ڈالا"

حجاج کا عراق میں اولین خطبہ، ادب عربی کی اتنی مشہور چیز ہے کہ صرف اشارہ کر دینا کافی ہوگا۔ أما والله، انی لاحمل الشر بحمله واحذوه بنعله واجزیه بمثله وانی لا ابصار اطامحه وا عناقا منتظارله ود وساقد اینعت وحان قطافها وکانی انظر الی الدما بین العمائم واللحی شوقوق

حجاج کی تلوار جس درجہ سفاک تھی۔ اتنی ہی اس کی زبان بھی بلیغ تھی۔ اس کا یہ خطبہ خطیبانہ رنگ کا بے نظیر نمونہ ہے۔ "میں دیکھتا ہوں کہ نظریں اٹھی ہوئی ہیں۔ گردنیں اُونچی ہو رہی ہیں سروں کی فصل پک چکی ہے اور کٹائی کا وقت آگیا ہے۔ میری نظریں وہ خون دیکھ رہی ہیں جو پگڑیوں اور ڈاڑھیوں کے درمیان بہہ رہا ہے"۔ حجاج نے جیسا کہا تھا ویسا ہی کر دکھایا۔ بیان کیا گیا ہے کہ جنگوں کے علاوہ حالت امن میں اُس نے ایک لاکھ ۲۵ ہزار آدمی قتل کئے تھے۔

(عقد الفرید۔ البیان والتبیین وغیرہ)

بڑے بڑے اکابر و ابرار مثلاً سعید بن جبیر وغیرہ کی گردنیں اُڑا دیں۔ مدینہ میں بے شمار صحابہ کے ہاتھوں پر سیسے کی مہریں لگا دیں۔ حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت عبداللہ بن عمر جیسے جلیل القدر صحابیوں کو قتل کیا۔ موجودہ زمانے کی استعماری سیاست کی طرح اس کا بھی اصول یہ تھا حکومت کے قیام کے لئے ہر بات جائز ہے اور حکومتیں رحم و عدل سے نہیں بلکہ قہر و تعزیر سے قائم ہوتی ہیں۔

اس عہد کے عرفا و صلحا حجاج کو خدا کا قہر و غذاب خیال کرتے تھے۔ حضرت حسن بصری کہا کرتے تھے" حجاج اللہ کا عذاب ہے۔ اسے اپنے ہاتھوں کے زور سے دور کرنے کی کوشش نہ کرو بلکہ خدا سے تضرع و زاری کرو۔ کیوں کہ اُس نے فرمایا ہے:۔

لقد اخذ ناهم بالعذاب فما استکانو الربهم وما یتضرعون"

یہی سبب ہے کہ جوں ہی اس کی موت کی خبر سنی گئی حضرت حسن اور عمر بن عبدالعزیز سجدے میں گر پڑے۔ "اس اُمت کا فرعون مرگیا" بے اختیار ان کی زبانوں سے نکل گیا۔

اب دیکھنا چاہیئے ان جابر قہرمان انسان نے موت کا مقابلہ کیوں کر کیا؟ - جس گھاٹ ہزاروں مخلوق کو اپنے ہاتھوں اُتار چکا تھا خود اس میں کیسے اُترا؟

بیماری

عراق پر ۲۰ برس حکومت کرنے کے بعد ۵۴ برس کی عمر میں حجاج بیمار ہوا - اس کے معدے میں بے شمار کیڑے پیدا ہو گئے تھے اور جسم کو ایسی سخت سردی لگ گئی تھی کہ آگ کی بہت سی انگیٹھیاں بدن سے لگا کر رکھ دی جاتی تھیں - پھر بھی سردی میں کوئی کمی نہیں ہوتی تھی -

موت پر خطبہ

جب زندگی سے نا اُمیدی ہو گئی تو حجاج نے گھر والوں سے کہا - " مجھے بٹھا دو اور لوگوں کو جمع کرو " لوگ آئے تو اُس نے حسب عادت ایک بلیغ تقریر کی - موت اور اس کی سختیوں کا ذکر کیا قبر اور اس کی تنہائی کا بیان کیا - دنیا اور اس کی بے ثباتی یاد کی، آخرت اور اس کی ہولناکیوں کی تشریح کی - اپنے گناہوں اور ظلموں کا اعتراف کیا - پھر یہ شعر اس کی زبان پر جاری ہو گئے -

ان ذنبی وزن السموات والارض   ظنی بخالقی ان یحابی

میرے گناہ آسمان اور زمین کے برابر بھاری ہیں - مگر مجھے اپنے خالق سے اُمید ہے کہ رعایت کرے گا

فلئن من بالرضاء فہو ظنی   ولئن مر بالکتاب عذابی

اگر اپنی رضامندی کا احسان مجھے دے تو یہی میری اُمید ہے لیکن اگر وہ عدل کر کے میرے عذاب کا حکم دے

لم یکن ذالک منہ ظلما   وھل یظلم رب یرجی لحسن مآب

تو یہ اس کی طرف سے ہرگز ظلم نہیں ہو گا - کیا یہ ممکن ہے کہ وہ رب ظلم کرے جس سے صرف بھلائی کی توقع کی جاتی ہے

پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیا - موقع اس قدر عبرت انگیز تھا کہ مجلس میں کوئی اپنے آنسو نہ روک سکا -

خلیفہ کے نام خط

اس کے بعد اُس نے اپنا کاتب طلب کیا اور خلیفہ ولید بن عبد الملک کو حسب ذیل خط لکھوایا۔

"اما بعد، میں تمھاری بکریاں چراتا تھا۔ ایک خیر خواہ گلہ بان کی طرح اپنے آقا کے گلے کی حفاظت کرتا تھا۔ اچانک شیر آیا گلہ بان کو طمانچہ مارا۔ اور چراگاہ خراب کر ڈالی۔ آج تیرے غلام پر وہ مصیبت نازل ہوئی ہے جو ایوب صابر پر نازل ہوئی تھی مجھے امید ہے کہ جبار و قہار اس طرح اپنے بندے کی خطائیں بخشنا اور گناہ دھونا چاہتا ہے۔

پھر خط کے آخر میں یہ شعر لکھنے کا حکم دیا۔

اذا ما لقيت الله عنى راضيا — فان شفاء النفس فيما هنالك

اگر میں نے اپنے خدا کو راضی پایا تو بس میری مراد پوری ہوگئی

فحسبی بقاء الله من كل ميتٍ — وحسبی حياة الله من كل هالك

سب مرجائیں مگر خدا کا باقی رہنا میرے لئے کافی ہے! سب ہلاک ہو جائیں مگر خدا کی زندگی میرے لئے کافی ہے

لقد ذاق هذا الموت من كان قبلنا — ونحن نذوق الموت من بعد ذالك

ہم سے پہلے یہ موت چکھ چکے ہیں۔ ہم بھی ان کے بعد موت کا مزا چکھیں گے

فان مت فاذكرنی بذكر محبب — فقد كان جمانی رضاك مسالك

اگر میں مرجاؤں تو مجھے محبت سے یاد رکھنا۔ کیوں کہ تمہاری خوشنودی کے لئے میری راہیں بے شمار تھیں

والا ففی دبر الصلوٰة بدعوة — يلقى بها المسجون فی نار مالك

یہ نہیں تو کم از کم ہر نماز کے بعد دعا میں یاد رکھنا کہ جس سے جہنم کے قیدی کو کچھ نفع پہنچے

عليك سلام الله حيًا وميتًا — ومن بعد ما تحيا عتيقا المالك

تجھ پر ہر حال میں اللہ کی سلامتی ہو، جیتے جی، میرے پیچھے، اور جب دوبارہ زندہ کئے جا

سکراتِ موت کے شدائد

حضرت حسن مصری عیادت کو آئے تو حجاج نے ان سے اپنی تکلیفوں کا شکوہ کیا، حسن نے کہا "میں تجھے منع نہیں کرتا تھا کہ نیکو کاروں کو نہ ستا۔ مگر افسوس تو نے نہیں سُنا۔"

حجاج نے خفا ہو کر جواب دیا "میں تجھ سے یہ نہیں کہتا کہ اس مصیبت کے دور کرنے کی دعا کر، میں تجھ سے یہ دُعا چاہتا ہوں کہ خدا جلد میری رُوح قبض کر لے اور اب زیادہ عذاب نہ دے۔"

اسی اثناء میں ابو منذر یعلیٰ بن مخلد مزاج پرسی کو پہنچے۔

"حجاج! موت کے سکرات اور سختیوں میں تیرا کیا حال ہے؟" انھوں نے سوال کیا

اے یعلیٰ!" حجاج نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا "کیا پوچھتے ہو؟ شدید مصیبت! سخت تکلیف! ناقابل بیان الم! ناقابلِ برداشت درد! سفر دراز! توشہ قلیل! آہ! میری ہلاکت! آہ! میری ہلاکت! اگر اس جبّار قہار نے مجھ پر رحم نہ کھایا!"

ابو منذر کی بے لاگ تقریر

ابو منذر نے کہا "اے حجاج! خدا اپنے انھیں بندوں پر رحم کھاتا ہے جو رحم دل اور نیک نفس ہوتے ہیں، اس کی مخلوق سے بھلائی کرتے ہیں۔"

"میں گواہی دیتا ہوں کہ تو فرعون و ہامان کا ساتھی تھا کیوں کہ تیری سیرت بگڑی ہوئی تھی۔ تو نے اپنی ملّت ترک کر دی تھی راہِ حق سے کٹ گیا تھا۔ صالحین کے طور طریقہ سے دُور ہو گیا تھا؛ تو نے نیک انسان قتل کر کے ان کی جماعت فنا کر ڈالی۔ تابعین کی جڑیں کاٹ کر ان کا پاک درخت اُکھاڑ پھینکا۔ افسوس تو نے خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت کی۔ تو نے خون کی ندیاں بہا دیں جانیں لیں۔ آبروئیں برباد کیں۔ کبر و جبر کی روش اختیار کی۔ تو نے نہ اپنا دین ہی بچایا، نہ دنیا ہی پائی۔ تو نے خاندانِ مروان کو عزّت دی۔ مگر اپنا نفس ذلیل کیا۔ ان کا گھر آباد کیا، مگر اپنا گھر ویران کر لیا۔ آج تیرے لئے نہ نجات ہے نہ فریاد۔ کیوں کہ تو آج کے دن اور اس کے بعد سے غافل تھا۔ تو اس امّت کے لئے مصیبت اور قہر تھا۔ اللہ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے تیری موت سے امّت کو راحت بخشی اور تجھے مغلوب کر کے اس کی آرزو پوری کر دی۔"

حجاج کی عجیب رحمت طلبی

راوی کہتا ہے حجاج یہ سن کر مبہوت ہو گیا - دیر تک سناٹے میں رہا - پھر اس نے ٹھنڈی سانس لی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے - اور آسمان کی طرف نظر اُٹھا کر کہا -

" الٰہی مجھے بخش دے - کیونکہ لوگ کہتے ہیں کہ تو مجھے نہیں بخشے گا اور یہ شعر پڑھا

رب ان العباد قد ایاسونی   و رجائی لک الغداۃ عظیم

الٰہی! بندوں نے مجھے نا امید کر ڈالا ، حالاں کہ میں تجھ سے بڑی ہی اُمید رکھتا ہوں

یہ کہہ کر اس نے آنکھیں بند کرلیں -

اس میں شک نہیں کہ رحمت الٰہی کی بے کنار وسعت دیکھتے ہوئے اس کا یہ انداز طلب ایک عجیب تاثیر رکھتا ہے اور اس باب میں بے نظیر مقولہ ہے یہی وجہ ہے کہ جب حضرت حسن بصری سے حجاج کا یہ قول بیان کیا گیا تو وہ پہلے تو متعجب ہوئے " کیا واقعی اس نے یہ کہا " کہا گیا " ہاں اس نے ایسا ہی کہا ہے " (یعنی اب شاید بخشش ہو جائے) فرمایا " تو شاید ! "

مُعاوِیہؓ بِن ابی سُفیان

امیر معاویہؓ بن ابی سفیان کی شخصیت تعارف سے بے نیاز ہے۔ عرب کا عزم، حزم، عقل، تدبر پورے تناسب سے اُن کے دماغ میں جمع ہو گیا تھا۔ عربی کتب ادب و تاریخ ان کی تدبر و سیاست کے واقعات سے لبریز ہیں تقریباً پوری زندگی امارت و حکومت میں بسر ہوئی اور ہمیشہ ان کی سیاست کامیاب رہی وہ اس عہد کے ایک پورے سیاسی آدمی تھے۔

ایک عجیب عزم جب مرض نے خطرناک صورت اختیار کرلی اور لوگوں میں ان کی موت کے چرچے ہونے لگے۔ تو امیر معاویہؓ کو فتنہ و فساد کا اندیشہ پیدا ہوا ولی عہد، یزید (جسے جبراً بزور شمشیر ولی عہد منوایا گیا ہے) دارالخلافہ سے دور تھا۔ اور ابتری پیدا ہو جانے کا قوی احتمال تھا۔ انھوں نے فوراً اپنے تیمارداروں سے کہا۔

"میری آنکھوں میں خوب سرمہ لگاؤ۔ سر میں تیل ڈالو" حکم کی تعمیل کی گئی۔ سرمہ اور روغن نے بیمار چہرے میں تازگی پیدا کر دی۔ پھر انھوں نے حکم دیا۔

"میرا بچھونا اونچا کرو۔ مجھے بٹھا دو۔ میرے پیچھے تکیے لگا دو" اس حکم کی بھی تعمیل کی گئی۔

پھر کہا:

"لوگوں کو حاضری کی اجازت دو، سب آئیں اور کھڑے کھڑے سلام کر کے رخصت

ہو جائیں، کوئی بیٹھنے نہ پائے"۔

لوگ اندر آنا شروع ہوئے۔ جب وہ سلام کرکے باہر جاتے تو آپس میں کہتے "کون کہتا ہے خلیفہ مر رہے ہیں؟ وہ تو نہایت تروتازہ اور تندرست ہیں"۔

جب سب لوگ چلے گئے تو امیر معاویہ رضؓ نے یہ شعر پڑھا۔

وتجلدی للشامتین اریھم — انی لریب الدھر لا اتضعضع

شماتت کرنے والوں کے سامنے اپنی کمزوری ظاہر نہیں ہونے دیتا۔ میں انھیں ہمیشہ یہی دکھاتا ہوں کہ زمانہ کے مصائب مجھے مغلوب نہیں کر سکتے! (طبری جلد ۶)

دُنیا کی بے ثباتی

دورانِ علالت قریش کی ایک جماعت عیادت کو آئی۔ امیر معاویہ رضؓ نے اس کے سامنے دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ ان لفظوں میں کھینچا "دُنیا آہ دُنیا! اس کے سوا کچھ نہیں جسے ہم اچھی طرح دیکھ چکے ہیں اور جس کا خوب تجربہ کر چکے ہیں۔ خدا کی قسم، ہم اپنی جوانی کے عالم میں دنیا کی بہار کی طرف دوڑے اور اس کے سب مزے لوٹے۔ مگر ہم نے دیکھ لیا کہ دنیا نے جلد پلٹا کھایا۔ بالکل کایا پلٹ کر دی۔ ایک ایک کرکے تمام گرہیں کھول ڈالیں۔ پھر کیا ہوا؟ دُنیا نے ہم سے بے وفائی کی۔ ہماری جوانی چھین لی۔ ہمیں بوڑھا بنا دیا۔ آہ! یہ دُنیا کتنی خراب جگہ ہے۔ یہ دنیا کیسا بُرا مقام ہے"۔ (احیاء علوم الدین ج ۴)

آخری خطبہ

امیر معاویہ نے اپنی بیماری میں آخری خطبہ یہ دیا:

"اے لوگو! میں اس کھیتی کی بالی ہوں جو کٹ چکی ہے، مجھے تم پر حکومت ملی تھی، میرے بعد جتنے حاکم آئیں گے وہ مجھ سے بُرے ہوں گے۔ ٹھیک اسی طرح جیسے اگلے حکام مجھ سے اچھے تھے"۔ (احیاء جلد ۴)

حسرت

جب وقت آخر ہوا۔ تو کہا: "مجھے بٹھا دو"چناں چہ بٹھا دیئے گئے۔ دیر تک ذکر الٰہی میں مصروف رہے۔ پھر رونے لگے اور کہا:

"معاویہ اپنے رب کو یاد کرتا ہے۔ جبکہ بڑھاپے نے کسی کام کا نہیں رکھا۔ اور جسم کی چولیں ڈھیلی ہو گئیں۔ اس وقت کیوں نہ خیال آیا جب شباب کی ڈالی تروتازہ اور ہری بھری تھی؟"

پھر چلّا کر روئے اور دُعا کی۔

"اے ربِ! سخت دل، گنہگار، بوڑھے پر رحم کر، الٰہی اس کی ٹھوکریں معاف کردے۔ اس کے گناہ بخش دے، اپنے وسیع حلم کو اس کے شامل حال کر جس نے تیرے سوا کسی سے اُمید نہیں کی۔ تیرے سوا کسی پر بھروسہ نہیں کیا۔" (احیاء، جلد ۴)

بیٹیوں سے خطاب

تیمار داری ان کی لڑکیاں کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ انھیں کروٹ بدلانے لگیں تو اُنھیں بغور دیکھ کر کہا "تم ایک ڈانواں ڈول وجود کو کروٹیں بدلوا رہی ہو۔ اس نے دنیا بھر کے خزانے جمع کر لئے۔ لیکن کاش وہ دوزخ میں نہ ڈالا جائے۔ پھر یہ شعر پڑھا۔

لقد سعیت لکم من سعی ذی تعب — وقد کفیتکم التطواف والرحلا"

میں نے تمھارے لئے سخت محنت سے کوشش کی اور تمھیں دربدر ٹھوکریں کھانے سے بے پروا کر دیا۔ (طبری)

اپنی فیاضی کی یاد

وفات سے پہلے اشہب بن رملہ کے یہ شعر پڑھے۔ جو اُس نے قباع کی مدح میں کہے تھے۔

اذا مت مات الجود انقطع الندیٰ — من الناس الا من قلیل دمصرو

تیری موت کے ساتھ سخاوت اور فیاضی بھی مرجائے گی

وردت اکف السائلین وامسکوا — من الدین والدنیا بخلف مجدد

سائلوں کے ہاتھ لوٹا دیئے جائیں گے اور دین اور دنیا کی محرومیاں ان کے انتظار میں ہوں گی۔

یہ سن کر لڑکیاں چلا اُٹھیں "، ہرگز نہیں، امیرالمومنین! خدا آپ کو سلامت رکھے۔" اُنھوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ صرف یہ شعر پڑھ دیا۔

واذ المنیۃ انشبت اظفارھا — الفیت کل تمیمۃ لا تنفع

جب موت اپنے ناخن گاڑ دیتی ہے تو کوئی تعویذ بھی نفع نہیں پہنچاتا۔

نصیحت

پھر بے ہوش ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد آنکھ کھولی اور اپنے عزیزوں کو پاس دیکھ کر کہا۔

"اللہ عزوجل سے ڈرتے رہنا۔ کیوں کہ جو ڈرتا ہے خدا اس کی حفاظت کرتا ہے اس شخص کے لئے کوئی پناہ نہیں جو خدا سے بے خوف ہے۔" (طبری)

یزید کی آمد

امیر معاویہ کی نازک حالت سے قاصد کے ذریعے ولی عہد (یزید) کو مطلع کیا گیا۔ وہ فوراً روانہ ہوا پہنچتے پہنچتے حالت اور بھی ابتر ہو چکی تھی۔ یزید جب پہنچا تو سکرات موت کی حالت شروع ہو چکی تھی۔ اس نے باپ کو پکارا مگر وہ بول نہ سکے۔ یزید رونے لگا اور یہ شعر پڑھے ؎

لو عاش حی علی الدنیا لعاش اما   والناس لا عاجز ولا کد

اگر کوئی آدمی بھی دنیا میں ہمیشہ زندہ رہتا تو بلاشک آدمیوں کا امام زندہ رہتا وہ نہ عاجز ہے، نہ کم زور۔

ونحول القلب والاریب ولن   یدافع وقت المنیة الحیل

وہ بڑا ہی عاقل ومدبر وفہیم ہے لیکن موت کے وقت کوئی تدبر کسی کام نہیں آتا

یزید سے خطاب

معاویہ نے یہ سن کر آنکھیں کھول دیں۔ اور کہا:

"اے فرزند! مجھے جس بات کا خدا سے سب سے زیادہ خوف ہے وہ تجھ سے میرا برتاؤ ہے۔ جانِ پدر! ایک مرتبہ میں رسول اللہ صلعم کے ساتھ سفر میں تھا جب آپ ضروریات سے فارغ ہوتے یا وضو کرتے تو میں دست مبارک پر پانی ڈالتا۔ آپ نے میرا کرتہ دیکھا وہ مونڈھے سے پھٹ گیا تھا۔ فرمایا "معاویہ تجھے کرتہ پہنادوں؟"

میں نے عرض کیا "میں آپ پر قربان! ضرور ضرور"، چنانچہ آپ نے کرتہ عنایت کیا مگر میں نے ایک مرتبہ سے زیادہ نہیں پہنا۔ وہ میرے پاس اب تک موجود ہے۔

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بال ترشوائے۔ میں نے تھوڑے سے بال اور کترے ہوئے ناخن اٹھالئے۔ وہ بھی آج تک میرے پاس شیشی میں رکھے ہیں۔ دیکھا جب میں مرجاؤں تو غسل کے بعد یہ بال اور ناخن میری آنکھوں کے حلقوں اور نتھنوں میں رکھ دینا۔ پھر رسول اللہ صلعم کا کرتہ بچھا کر مجھے اس پر لٹانا اور کفن پہنانا۔ اگر مجھے کسی چیز سے نفع پہنچ سکتا ہے تو وہ یہی ہے۔"

(استیعاب۔ عقد الفرید)

سکراتِ موت سکرات کے عالم میں یہ شعر زبان پر جاری تھا:

فهل من خالد اما هلكنا — وهل بالموت يا للناس عار

اگر ہم مرجائیں گے تو کیا کوئی بھی ہمیشہ زندہ رہے گا۔ کیا موت کسی کیلئے کوئی عیب ہے

(استیعاب)

وفات عین وفات کے وقت یہ شعر پڑھے:

الا ليتني لم اغن في الملك ساعة — ولم الك في اللذات اعشى النواظر

کاش میں نے کبھی سلطنت نہ کی ہوتی۔ کاش لذتیں حاصل کرنے میں اندھا نہ ہوتا

وكنت كذي طرين عاش مبلغة — ليالي حتى زاد ضند المقابر

کاش میں اس فقیر کی طرح ہوتا۔ جو تھوڑے پر زندہ رہتا ہے (عقد الفرید)

یزید کا مرثیہ یزید نے مرثیہ کے یہ شعر کہے تھے:

جاء البريد بقرطاس نجيب به — فاوجس القلب من قرطاس فزعا

قاصد خط لئے دوڑا ہوا آیا۔ تو قلب خوف زدہ ہوگیا۔

قلنا لك الويل ماذا في كتابكم — قالوا الخليفة اسى مثبتا وجعا

ہم نے کہا تیری ہلاکت! خط میں کیا ہے؟ کہنے لگا۔ خلیفہ سخت بیماری اور تکلیف میں ہے۔

فمادت الارض اوكادت تميد بنا — كان اغبر من اركانها انقلعا

قریب تھا۔ زمین ہمیں لے کر جھک جائے۔ گویا اس کا کوئی ستون اکھڑ گیا ہے

اودى ابن هند واودى المجد يتبعه — كانا جميعا فضلا يسيران معا

ہند کا لڑکا (معاویہ) مرگیا اور عزت بھی مرگئی۔ دونوں ہمیشہ ساتھ رہتے تھے۔ اب بھی دونوں ساتھ جارہے ہیں

لا يرفع الناس ما اوهى وان جهدوا — ان يوهنوه لا يوهون ما رفعا

جو گر رہا ہے اسے آدمی لاکھ کوشش کریں اُٹھا نہیں سکتے اور جو اٹھ رہا ہے اسے لاکھ چاہیں گرا نہیں سکتے

اغر ابلج یستسقی الغمام بہ　　　　لوقارع الناس عن احلامھم قرحا

مبارک اور خوب صورت جس کے واسطے سے باران رحمت طلب کیا جاتا ہے - اگر لوگوں کی عقلوں کا امتحان ہو تو وہ سب پر بازی لے جائے گا　　(استیعاب طبری)

یزید کا خطبہ

تین دن یزید گھر سے نہیں نکلا - پھر مسجد میں آیا اور حسب ذیل خطبہ دیا "تمام ستائش اس خدا کے لئے ہے جو اپنی مشیئت کے مطابق عمل کرتا ہے - جسے چاہتا ہے دیتا ہے - جسے چاہتا ہے محروم کر دیتا ہے - کسی کو عزت دیتا ہے - کسی کو ذلت دیتا ہے لوگو! معاویہ خدا کی رسیوں میں سے ایک رسی تھا - جب تک خدا نے چاہا اُسے دراز کیا - پھر اُسے اپنی مشیئت سے کاٹ ڈالا - معاویہ اپنے پیش رووں سے کم تر اور بعد والوں سے بہتر تھا - میں اُسے پاک ثابت کرنے کی کوشش نہیں کروں گا - اب وہ اپنے رب کے پاس پہنچ گیا ہے - اگر اُسے درگزر کرے تو یہ اس کی رحمت ہے اور اگر اُسے عذاب دے تو یہ اس کے گناہ کا عذاب ہوگا - میں اُس کے بعد برسر حکومت آیا - نہ سرکش ہوں اور نہ کم زور ہوں - جلد بازی نہ کرو اگر خدا کوئی بات ناپسند کر دیتا ہے بدل ڈالتا ہے - اگر پسند کرتا ہے تو آسان کر دیتا ہے "

ابوبکر صدیق رضؓ

وفات کے قریب آپ نے اپنی وصیت لکھوائی اور حضرت عثمان رضؓ اور ایک انصاری کے ہاتھ مسجد میں بھیج دی تاکہ مسلمانوں کو سنا دی جائے۔ وصیت حسبِ ذیل تھی۔

بسم اللہ الرحمان الرحیم

"یہ کہ ابوبکر بن ابی قحافہ کی وصیت ہے جب کہ وہ دنیا سے رخصت ہو رہا تھا۔ اور آخرت میں داخل ہو رہا تھا۔ یہ ایسے وقت کی وصیت ہے جب کہ منکر ایمان لے آتا ہے فاجر بدبختی پر کُڑھتا اور جھوٹا بھی سچ بولنے لگتا ہے۔ میں نے تم پر عمر بن الخطاب رضؓ کو امیر بنایا ہے۔ اگر وہ عدل کرے اور تقوے برتے تو اس کی بابت میرا یہی گمان اور یہی اُمید ہے۔ لیکن اگر وہ بدل جائے تو میں نے حق الوسع بھلائی چاہی ہے۔ غیب کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں۔"

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے "میرے والد مرض موت کے آخری دنوں میں بیہوش ہو گئے۔ میری زبان سے بے اختیار نکل گیا۔ افسوس میرے والد کو سخت بیماری لاحق ہو گئی ہے۔ اتنے میں اُن کی آنکھ کھل گئی تو فرمایا "نہیں یہ بیماری نہیں ہے" وہ چیز ہے جس کی نسبت خدا نے فرمایا ہے وجاءت سکرۃ الموت بالحق ذالک ما کنت منہ تحید پھر پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنے کپڑوں میں کفنایا گیا تھا؟"

میں نے عرض کیا "تین کپڑوں میں"
پھر پوچھا "انہوں نے کس دن وفات پائی تھی؟"
عرض کیا "پیر کے دن"
پوچھا "آج کونسا دن ہے؟"
عرض کیا "پیر کا دن ہے"
فرمایا میں خدا سے امید کرتا ہوں کہ آج رات اور دن کے درمیان میری موت واقع ہو جائے۔ پھر اپنے کپڑوں کی طرف دیکھا اور کہا "دو مزید کپڑے ملا کر اسی میں مجھے کفنا دینا"
میں نے عرض کیا "یہ تو پرانا ہے!"
فرمایا۔ الحی احوج الی الجدید من المیت انما ھوا لخ (زندہ انسان بمقابلہ مردہ کے نئے کپڑے کا زیادہ خواہش مند ہوتا ہے اور کفن تو "ریم" اور خون کے لئے ہے!)
جب وفات ہوئی تو دعائے یوسفی آپ کی زبان پر تھی۔ توفنی مسلما۔ والحقنی بالصالحین (خدایا! اس حالت میں موت دے کہ مسلم ہوں یعنی تیرا فرماں بردار ہوں اور ایسا کہ صالح انسانوں کے ساتھ میرا شمول ہو!)
تاریخ وفات ۱۳ھ، مطابق ۶۳۴ء

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

وفات کے وقت اپنے صاحبزادے عبداللہ سے فرمایا "میرا چہرہ زمین پر رکھ دے۔ شاید خدا مجھ پر مہربان ہو جائے اور رحم کرے"۔

آخری کلمۂ وصیت اہل ذمہ یعنی غیر مسلم رعایا کی نسبت تھا "میں اپنے جانشین کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ غیر مسلم رعایا کے لئے اللہ اور اس کے رسول کی ذمہ داری یاد رکھے۔ ان سے جو اقرار کئے گئے ہیں ہمیشہ پورے کئے جائیں۔ اُن کی اُن کے دشمنوں سے حفاظت کی جائے۔ ان پر کبھی سختی نہ کی جائے"۔

تاریخ وفات ۲۴ھ (۶۴۴ء)

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

جب قتل کا یقین ہو گیا تو حضرت علیؓ کو خط لکھا:

"سیلاب چوٹی تک پہنچ گیا۔ معاملہ حد سے تجاوز کر گیا۔ خط دیکھتے ہی میرے پاس آؤ۔ موافقت یا مخالفت ہیں"۔

خط کے آخر میں یہ شعر لکھا:

فان کنت ماکولا فکن خیر آکل | والا فادرکنی ولما امزّق

اگر میرے لئے یہی صورت رہ گئی ہے کہ میں کسی کا نوالہ بنوں۔ تو سب سے بہتر کھانے والے تم بنو، ورنہ میرے ٹکڑے اڑنے سے پہلے مجھے آکر بچالو۔ ۳۵ھ ۔ ۱۶۵۵ء میں شہید ہوئے

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

وفات کے وقت بہت حسرت ظاہر کرنے لگے لوگوں نے کہا "اے ابو عبدالرحمان آپ کو کس چیز پر افسوس ہے؟"

جواب دیا "میں دنیا پر افسوس نہیں کرتا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک

وصیت ہمیں کی تھی۔ فرمایا تھا۔ تمہارے پاس مسافر کے زادِ راہ بھر سامان ہونا چاہیئے۔ میں ڈرتا ہوں، ہم نے اس نصیحت پر عمل نہیں کیا۔ کیوں کہ میرے گرد یہ چیزیں جمع ہیں"۔ یہ کہہ کر گھر کے سامان کی طرف اشارہ کیا۔ دیکھا گیا تو گھر میں کل سامان ایک تلوار ایک طشت اور ایک پیالہ تھا۔

امام حسن رضی اللہ عنہ

وفات کے وقت بار بار انا للہ وانا الیہ راجعون کہنا شروع کیا۔ آپ کے صاحبزادے نے عرض کیا" آپ بھی دُنیا پر افسوس کرتے ہیں"۔

فرمایا" فرزند! دنیا پر نہیں۔ خود اپنے نفس پر افسوس کرتا ہوں کیوں کہ اس جیسی کوئی چیز مجھے کبھی نہ ملی"۔ ۵۰ھ (۶۷۰ء) میں انتقال کیا۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

وفات کے وقت رُونے لگے۔ سبب پوچھا گیا۔ کہا" اس لئے روتا ہوں کہ سفر بہت دراز ہے۔ زادِ راہ بہت کم ہے۔ میں جا رہا ہوں۔ نہیں معلوم جنت میں مقام ہو گا یا دوزخ میں"۔ ۵۹ھ (۶۷۸ء) میں فوت ہوئے۔

سعید بن العاص رضی اللہ عنہ

وفات کے وقت اپنی اولاد سے کہا۔ میری وصیت کون قبول کرے گا"؟ بڑے نے کہا"میں" کہنے لگے" میرا قرضہ ادا کرنا ہو گا"؟

پوچھا" کتنا ہے"؟

کہا" ۸۰ ہزار درہم"

" پوچھا" کیوں لیا تھا"؟

جواب دیا" دو قسموں کے آدمیوں کی ضرورتیں پوری کرنے میں، شریف النفس غریبوں کی

اور حیا سے سوال نہ کر سکنے والوں کی، یہ مجبور ہو کر آتے تھے مگر شرم سے مانگ نہ سکتے تھے۔ فرطِ حیا سے چہرہ سُرخ ہو جاتا تھا۔ میں سوال کرنے سے پہلے ہی انھیں دے دیتا تھا۔"

۵۹ھ (۶۷۸ء) میں فوت ہوئے۔

سعید بن عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ)

بڑے خوددار اور بلند ہمت تھے۔ مرض الموت میں مشورہ دیا گیا "بیمار، کراہنے سے راحت پاتا۔ اور طبیب سے اپنی حالت بیان کرنے سے مطمئن ہوتا ہے۔

کہنے لگے۔ "کراہنا بزدلی ہے، عیب ہے۔ خدا ہرگز میرا کراہنا نہیں سُنے گا تاکہ میں اس کے حُضور بزدل نہ ٹھیروں۔ رہا طبیب، تو واللہ خدا کے سوا کسی کو بھی اپنے اوپر اختیار نہیں دوں گا۔ خدا چاہے تو مجھے رکھے چاہے اُٹھالے۔"

ربیع بن خثیم رضی اللہ عنہ

فالج میں مبتلا ہوئے کہا گیا۔ "دوا کیوں نہیں کرتے؟"

جواب دیا۔ "میں دوا کا فائدہ جانتا ہوں، مگر نہ مریض ہی زندہ رہے گا نہ طبیب، پھر دوا کیوں کروں۔" ۶۷ھ (۶۸۶ء) میں وفات پائی۔

معاویہ بن یزید بن معاویہ

وفات کے وقت مشورہ دیا گیا۔ "اپنے خاندان میں سے کسی کو خلیفہ کر جایئے۔"

جواب دیا۔ "میں نے خلافت سے نہ زندگی میں فائدہ اُٹھایا ہے نہ مرنے کے بعد اس کا بوجھ اُٹھاؤں گا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ بنی اُمیہ اس کی شیرینی لیں اور میرے حصے میں تلخی آئے۔"

۶۴ھ (۶۸۳ء) میں وفات پائی۔

جمیل (مشہور شاعر عرب)

جمیل کا عشق بثینہ سے مشہور عام ہے۔ ابو سہل ساعدی عیادت کو گیا۔ نزع کی حالت تھی۔ جمیل نے کہا "ابو سہل! ایسے آدمی کی بابت کیا کہتے ہو جو خدا سے اس حالت میں ملتا ہے کہ اس نے کسی کا خون نہیں بہایا، شراب نہیں پی بدکاری نہیں کی۔ کیا اس کے لئے جنت کی اُمید ہے؟"

ساعدی نے کہا "بخدا ہاں۔ مگر وہ کون ہے؟"

"مجھے اُمید ہے کہ میں ہوں" جمیل نے جواب دیا۔

ساعدی نے بثینہ کا ذکر کیا۔

جب وفات بالکل قریب پہنچی تو جمیل نے اپنے ایک دوست کو بلا کر وصیت کی "دیکھو" جمیل آہ بھر کر بولا "یہ دنیا میں میرا آخری دن ہے۔ محمد (صلعم) کی شفاعت سے محروم ہو جاؤں اگر کبھی بثینہ کی طرف میں نے بدی سے نظر ڈالی ہو"

"جب میں مر جاؤں۔ تو گھر کا تمام سامان تمہارا ہے۔ صرف میرے کپڑوں کا ایک جوڑا اس سے الگ ہے۔ تم میری اونٹنی پر سوار ہو کر بثینہ کے قبیلے میں جانا اور بلند جگہ پر کھڑے ہو کر میرے کرتے کا گریبان پھاڑ ڈالنا۔ پھر چلا کر یہ شعر پڑھ دینا۔

صدع النعی و ما کنی بجمیل　　　وثوی بمصر ثواء غیر قفول

موت بے دھڑک آ پہنچی۔ جمیل سے کوئی رعایت نہ کی وہ اب اس طرح مقیم ہو گیا کہ کبھی واپسی نہ ہو گی؛۔

ولقد اجر الذیل فی وادی القری　　　ان بین مزارع و نخیل

میں وادی قریٰ میں کھیتوں اور نخلستانوں میں خوشی خوشی پھرا کرتا تھا

قومی بثینۃ فاندبی بعویل　　　وابکی خلیلک دون کل خلیل"

بثینہ اُٹھ اور نوحہ کر اپنے سب سے بڑے دوست کے لئے"

دوست نے وصیت پوری کر دی۔ جمیل نے ۸۲ھ (۷۰۱ء) میں انتقال فرمایا۔

مہلب بن ابی صفرہ

وفات کے وقت اپنے تمام لڑکوں کو جمع کیا۔ پھر ترکش منگایا اور کہا "کیا تم یہ تمام ایک ساتھ بندھے ہوئے تیر توڑ سکتے ہو؟"

اُنھوں نے کہا "نہیں"

مہلب نے کہا "اگر الگ الگ ہوں؟"

اُنھوں نے کہا "ایک تیر کا توڑنا بالکل آسان ہے"

مہلب نے کہا "یہی مثال اتفاق و اتحاد اور جماعت کی ہے۔ ملے رہو گے تو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ الگ الگ ہو جاؤ گے تو بآسانی ہلاک کر دیئے جاؤ گے"

۸۳ھ (۷۰۲ء) میں فوت ہوئے۔

عبدالملک بن مروان

موت کے وقت اپنے بیٹے ولید سے کہا:۔

"دیکھو میری موت پر بیوقوف عورتوں کی طرح بیٹھ کر آنسو نہ بہانا، بلکہ کمر باندھنا۔ آستین چڑھانا۔ چیتے کی کھال پہن لینا، مجھے میرے گڑھے میں ڈال کر چھوڑ دینا۔ میں اپنا معاملہ خود چکا لوں گا۔ لیکن تم اپنے معاملہ کی فکر کرنا۔ لوگوں کو بیعت کے لئے بلانا۔ جو اپنے سر سے یوں کرے (یعنی انکار کرے) تو تم بھی اپنی تلوار سے یوں کرنا (یعنی اس کی گردن اُڑا دینا)"

پھر یزید بن معاویہ کے دونوں لڑکوں محمد اور خالد کو طلب کیا۔ ان سے پوچھا "کیا ولید کی بیعت پر نادم ہو؟"

اُنھوں نے جواب دیا "ہم ولید سے زیادہ کسی کو بھی خلافت کا حقدار نہیں سمجھتے"

عبدالملک نے کہا "واللہ اگر تم کچھ اور جواب دیتے تو فوراً تمھارا سر اُڑا دیتا"۔ پھر اپنے بچھونے کا کنارہ اُٹھا کر دکھایا۔ نیچے شمشیر برہنہ رکھی تھی۔

یہ اس وقت کی گفتگو ہے جب سکراتِ موت طاری تھی۔ عبدالملک نے کہنا شروع کیا۔

"وہ خدا کتنا بڑا ہے جو چھوٹے بڑے سب کو بے پروائی سے موت دیتا ہے۔"

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اسی لفظ پر رُوح پرواز کر گئی۔

اصمعی کہا کرتا تھا "میں عبدالملک پر حسد کرتا ہوں۔ کیوں کہ اُس نے مرتے وقت کہا تھا "خدایا! میرے گناہ اگرچہ بے شمار ہیں اور بے حد بڑے ہیں لیکن تیرے عفو کے سامنے تو بہت کم اور چھوٹے ہیں۔ لہٰذا مجھے معاف کردے۔"

کہتے ہیں، عبدالملک نے وفات کے وقت اپنے محل کی کھڑکی سے ایک دھوبی کو کپڑے دُھوتے دیکھا تھا۔ اُس نے ٹھنڈی سانس لی اور کہا۔

"کاش میں اس دھوبی کی طرح ہوتا کہ اپنی روز کی کمائی سے پیٹ پالتا۔ کاش میں خلیفہ نہ بنا ہوتا۔" پھر یہ شعر پڑھا۔

لیتنی کنت قبل ما قد بدا لی　　　نی رودس الجبال ارعی الوعولا

ابوحازم نے یہ قول سنا تو کہنے لگے "الحمد للہ یہ لوگ موت کے وقت اس بات کی تمنا کرتے ہیں جو ہمیں حاصل ہے۔ لیکن ہم موت کے وقت اُن کی حالت کی آرزو نہیں کرتے۔" ۸۶ھ (۷۰۵ء) میں وفات پائی۔

ابن القریہ

مشہور عرب خطیب ابن القریہ کو قتل کرنے کا حجاج بن یوسف نے حکم دیا۔ جلاد تلوار لے کر آیا۔ ابن القریہ نے کہا "خدا حاکم کی درستی کرے۔ میں مرنے سے پہلے تین لفظ کہنے کی اجازت چاہتا ہوں جو میرے بعد ضرب المثل ہو کر ہمیشہ زندہ رہیں گے۔"

حجاج نے کہا "کہہ، کیا کہتا ہے؟"

ابن القریہ نے کہا "ہر اصیل گھوڑا ٹھوکر کھاتا ہے، ہر تلوار کند ہو جاتی ہے۔ ہر دانا سے غلطی ہوتی ہے۔"

حجاج نے کہا "ہر وقت مزاح کا نہیں ہے۔ جلاد اپنا کام کر!" جلاد کا ہاتھ چلا اور

ابن القریہ کا سرزمین پر تھا۔ ۸۴ھ (۷۰۳ء) کا یہ واقعہ ہے۔

اخطل

مشہور شاعر اخطل سے موت کے وقت پوچھا گیا "کوئی وصیت ہے؟"
کہا "ہاں!" پھر اپنے دوست فرزدق کو یہ وصیت کی۔

اوصی الفرزدق عند الممات — بام جریر واغبارھا

"میں موت کے وقت فرزدق کو وصیت کرتا ہوں کہ جریر کی ماں اور اس کی سوکنوں کا خیال رکھے"۔ ۹۰ھ (۷۰۸ء) میں فوت ہوا۔

امام ابراہیم نخعی (رحمۃ اللہ) امام کوفہ

موت کے وقت سخت خوف زدہ ہوئے۔ لوگوں نے اعتراض کیا۔ کہنے لگے "اس حالت سے زیادہ خطرناک حالت اور کیا ہو سکتی ہے۔ ہر لمحہ دھڑکا لگا ہے کہ پروردگار کا قاصد پہنچے اور جنت یا دوزخ کی خبر دے۔ قسم ہے خدا کی میری تمنا ہے کہ قیامت تک میری روح یوں ہی حلق میں پھنسی رہے"۔ ۹۶ھ (۷۱۴ء) میں انتقال کیا۔

مروان بن محمدؒ

بنی امیہ کا آخری خلیفہ مروان بن محمد جب عباسیوں کے ہاتھ قتل ہونے لگا تو یہ شعر کہے۔

الدھر یوما ذامن وذا حذر — والعیش شطران اذا صفو واذا کدر

زمانہ دو ہی دن ہیں۔ امن کا دن اور اندیشہ کا دن۔ زندگی کیا ہے۔ آدمی میں خوشی، آدھی میں رنج

دکم علی الارض من خضر ویابسۃ — ولیس یرجم الا ماله ثمر

زمین پر بے شمار خشک و تر چیزیں ہیں۔ مگر پتھر اس درخت پر مارے جاتے ہیں

جس میں پھل ہیں۔

قل للذی قل للذی بصروف الدھر عیّرنا — ھل غیر الدھر الا من لہ قدر

زمانے کے انقلاب پر طعنہ دینے والوں سے کہہ دو کہ زمانہ اسی کے خلاف ہو جاتا ہے جو کوئی درجہ رکھتا ہے

اما تری البحر تعلو فوقہ جیف — وتستقر باقصی قعرہ الدرر

تم دیکھتے نہیں دریا ہی کی سطح پر مردے تیرتے ہیں۔ لیکن موتی اس کی تہہ میں بیٹھے رہتے ہیں

وان تکن عبثت ایدی الزمان بنا — ونالنا من تجنی بؤسہ ضرر

اگر زمانے کے ہاتھوں نے ہمیں ستایا اور اس کی سختیاں ہم پر پڑی ہیں

ففی السماء نجوم لا عداد لہا — ولیس یکسف الا الشمس والقمر

تو کوئی تعجب نہیں۔ آسمان میں بے شمار تارے موجود ہیں۔ مگر گہن صرف چاند اور سورج ہی کو لگتا ہے

۱۳۲ھ ۷۴۹ء میں قتل ہوا۔

ابو جعفر منصور

عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور نے سفر حج میں مقام بیر میمون پر پہنچ کر جب اپنی وفات قریب دیکھی، تو اپنے ولی عہد؛ مہدی کو طلب کیا۔ اس وقت ابو جعفر کے سامنے ایک بڑا تھیلا رکھا تھا۔ اس میں کتابیں اور حساب کے کاغذات رہتے تھے۔ کبھی کسی شخص کو اسے ہاتھ لگانے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ ولی عہد کو دیکھ کر خلیفہ نے کہا۔

"فرزند یہ تھیلا دیکھ، اس کی حفاظت کرنا، کیوں کہ اس میں تیرے بزرگوں کا علم محفوظ ہے۔"

"اس شہر (بغداد) کا خیال رکھنا، کسی اور شہر کو پایہ تخت نہ بنانا کیوں کہ یہ شہر تیرا اپنا ہے۔ اور اس میں تیری عزت ہے، میں نے اس میں تیرے لئے اتنے خزانے جمع کر دیئے ہیں جتنے کبھی کسی خلیفہ نے جمع نہیں کئے تھے۔ حتیٰ کہ دس برس بھی تجھے اگر سلطنت کا خراج نہ ملے تو بھی یہ خزانے جملہ مصارف کے لئے کافی سے زیادہ ہوں گے۔ ان کی حفاظت کرنا کیونکہ ان کی موجودگی

میں تجھ کو ہمیشہ قوت حاصل رہے گی۔ تیرا گھر آباد رہے گا۔ لیکن میں جانتا ہوں تو اُن کی حفاظت نہیں کرے گا۔"

"اپنے خاندان سے نیک سلوک کرنا۔ انھیں عزّت بخشنا۔ اُن پر احسان کرنا۔ ان کے لئے منبر نصب کرنا۔ ان کی چوکھٹوں پر لوگوں کو جھکانا کیوں کہ ان کی عزّت تیری عزّت ہے۔"

"اپنے غلاموں سے نیکی کرنا۔ اپنے قریب رکھنا۔ ان کی تعداد میں اضافہ کرنا۔ کیونکہ مصیبت کے وقت وہ تیرے سپر ہوں گے۔"

"خراسانیوں کے بارے میں میری نیک وصیّت یاد رہے۔ وہ تیرے حامی و مددگار ہیں۔ انھوں نے اپنی جان و مال سے تیری مدد کی ہے اُن سے اچھا برتاؤ کرنا، ان کی خطائیں معاف کرنا۔ ان کے یتیموں اور بیواؤں کی خبر گیری کرنا۔"

"خبردار کوئی نیا شہر آباد نہ کرنا۔ کیوں کہ تو اُسے پورا نہ کر سکے گا۔ خبردار! عورتوں کو اپنے مشورے میں داخل نہ کرنا۔ یہ میری آخری وصیت ہے۔"

جب دم لبوں پر آیا تو کہا "بادشاہ وہ ہے جو نہ مرے۔"

۱۵۹ھ (۷۷۵ء) میں انتقال فرمایا۔

امام سُفیان ثوری

موت کے وقت نہایت مضطرب تھے۔ کہا گیا "ابو عبداللہ! یہ اضطراب کیوں! کیا آپ اس ذات کے پاس نہیں جا رہے ہیں جس کی آپ نے ہمیشہ عبادت کی اور ہمیشہ اس کی طرف بھاگتے رہے ہیں؟"

کہنے لگے "تمہارا بھلا ہو! میں ایک ایسے راستہ میں سفر شروع کرنے والا ہوں جسے میں نہیں جانتا اور اس پروردگار کے روبرو پہنچنے والا ہوں، جسے میں نے دیکھا نہیں ہے!"

۱۶۱ھ (۷۷۷ء) میں وفات پائی۔

عبداللہ بن عبدالعزیز

موت کے وقت کہنے لگے "خدا کی نعمت کا ذکر کرتا ہوں۔ پوری دنیا میرے قدموں کے نیچے آجائے تو بھی میں اُسے لینے والا نہیں۔ کیونکہ میں ہمیشہ اُسی دن سے ڈرتا رہا ہوں جو آج درپیش ہے" ۱۸۴ھ (۸۰۰ء) میں انتقال کیا۔

ابراہیم موصلی

اپنے زمانے کا سب سے بڑا ماہرِ فنِ موسیقی ابراہیم موصلی، قولنج کی بیماری میں مبتلا ہوا اور خلیفہ کے محل میں آنے جانے سے معذور ہو گیا۔ جب تکلیف بہت بڑھی تو یہ شعر اس کی زبان پر جاری ہو گئے۔

مل و اللہ طبیبی عن مقاساۃ الذی بی

واللہ طبیب میرے مرض کی تشخیص سے اُکتا گئے

سوف ینعی عن قریب لعل و حبیب

عنقریب دوست و دشمن کو میری موت کی خبر سنا دی جائے گی۔

ایک دن خلیفہ ہارون الرشید عیادت کو گیا اور پوچھا۔

"ابراہیم کیا حال ہے؟"

ابراہیم نے اس کے جواب میں ایک شعر پڑھا۔

سقیم مل منہ اقربوہ واسلمہ المداوی والحمیم

بیمار، جس سے اس کے رشتہ دار اُکتا گئے۔ طبیب اور دوست اُسے چھوڑ چکے ہیں

۱۸۸ھ (۸۰۳ء) میں انتقال ہوا۔

عباس بن الاحنف

اصمعی نے بیان کیا کہ ایک دن میں بصرہ کی مجلس میں بیٹھا تھا۔ کیا دیکھتا ہوں ایک حسین

نوجوان میرے پیچھے کھڑا ہے۔

"میرا آقا آپ کو یاد کرتا ہے"، خوب صورت لڑکے نے کہا

میں اس کے ساتھ روانہ ہوا۔ صحرا میں ایک خیمہ کھڑا تھا۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ عباس بن الاحنف اس میں پڑے دم توڑ رہے ہیں۔ اس وقت ان کی زبان پر یہ شعر تھے۔

یا بعید الدار عن وطنه مفرداً یبکی علی شجنه

اے اپنے وطن سے بہت دور! تنہا، جو اپنی حسرت پر رو رہا ہے

کلما جد به زادت الاسقام فی بدنه

جوں جوں اس کا گریہ بڑھتا ہے، اس کے جسم میں بیماریاں بھی بڑھتی جاتی ہیں

پھر وہ بیہوش ہو گئے۔ درخت پر ایک چڑیا چلائی۔ عباس نے اس کی آواز سُن کر آنکھ کھول دی اور یہ شعر پڑھنے لگے۔

ولقد زاد لفود شجیً ھاتف یبکی علی غصنه

دل کا رنج اور بھی زیادہ کر دیا۔ اپنی ڈالی سے پکارنے والے نے

شاقنی ما شاقه فبکی کلنا یبکی علی سکنه

جس کا شوق مجھے ہے اس کا شوق اُسے بھی ہے۔ ہم میں سے ہر ایک اپنے حبیب کے لئے روتا ہے

وہ پھر بیہوش ہو گئے۔ میں نے خیال کیا پہلی سی غشی ہے۔ مگر اُنھوں نے ایک لمبی سی سانس لی۔ اور سرد ہو گئے۔ ۱۹۲ھ (۸۰۸ء) میں فوت ہوئے۔

خلیفہ ہارون الرشید

جب بیماری بہت سخت ہو گئی تو طبیب بلائے گئے۔ مگر کسی علاج سے بھی فائدہ نہ ہوا۔ ہارون مایوس ہو گیا اور یہ شعر پڑھے۔

ان الطبیب بطبه ودائه لا یستطیع دفاع مکروہ اتیٰ

طبیب اپنی طب اور دوا سے کسی مصیبت کو اس کے آجانے کے بعد دور نہیں کر سکتا

مالطبیب یموت بالداءالذی قدکان یبری مثلہ فی مضیٰ

یہ کیا ہے کہ طبیب اس بیماری سے مرتا ہے جسے ہمیشہ اپنے علاج سے اچھا کیا کرتا تھا

ھلک المداوی والمداوی والذی جلب الدواء وبائعاومن اشتریٰ

معالج مریض اور دوا لانے والا، دوا بیچنے والا، دوا خریدنے والا سب مرجائیں گے

جب موت کا یقین ہوگیا تو بنی ہاشم کو طلب کیا اور کہا:

"ہر مخلوق مرجانے والی ہے۔ آج میں بھی موت کے گھاٹ اُتر رہا ہوں۔ میں تمھیں تین وصیتیں کرتا ہوں۔ اپنی امانت کی حفاظت کرنا۔ اپنے سرداروں کی خیر خواہی کرنا۔ اپنا اتحاد برقرار رکھنا۔ میرے دونوں لڑکوں محمد (امین) اور عبداللہ (مامون) کو دیکھنا۔ ان میں سے جو بھی اپنے بھائی پر سرکشی کرے اسے گمراہی سے روک دینا۔ اور اس کا عہد توڑ دینا۔"

سنہ ۱۹۳ھ (۸۰۸ء) میں انتقال کیا۔

ابونواس

ہارون الرشید کے مشہور مصاحب اور اپنے زمانے کے سب سے بڑے راوی اور شاعر ابونواس نے مرتے وقت یہ شعر کہتے تھے۔

دلسانی الفنا سفلا وعلوا وارانی اموت عضوا فعضوا

اوپر نیچے ہر طرف سے فنا مجھ میں دوڑ رہی ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ میں جوڑ جوڑ سے مر رہا ہوں

ذھبت شرتی بجدۃ نفسی وتذکرت طاعتا اللہ نضوا

میری تمام تیزی چلی گئی۔ اپنے سوکھ جانے پر مجھے طاعت الٰہی کا خیال آیا

لیس من ساعۃ مضت فی الا نقصتنی بمربالی جروا

ہر گھڑی جو مجھ پر گزر رہی ہے۔ کوئی نہ کوئی حصہ کم کرتی جاتی ہے

لھف نفسی علی لیال وایام تملیتھن لعبا ولھوا

ان دنوں اور راتوں پر میرا افسوس جنھیں میں نے لہو ولعب میں گزار دیا

قد اسانا کل الاسائۃ فاللھم صفحاً وعنا دغفراً وعفوا
ہم نے سراسر برائی ہی کی ہے لیکن خدایا ہم تیری عفو و بخشش چاہتے ہیں

محمد امین

ہارون الرشید کے جانشین محمد امین کو گرفتار کرنے کے لئے جب مامون کے سپاہی آدھی رات کے وقت محل میں گھسے، تو چلّا اٹھا۔ "انا للہ وانا الیہ راجعون۔ واللہ میری جان، خدا کی راہ میں چلی گئی، آہ کوئی تدبیر نہیں، کوئی حمایتی نہیں۔"

گرفتار ہو جانے پر اس نے اپنی اولاد اور عزیزوں سے کہا۔

"یہ تمہارا آخری دیدار ہے۔ خدا تمہارا نگہبان ہو۔"

قتل کے وقت جلّادوں سے کہا:

"تمہارا برا ہو۔ جانتے نہیں، میں رسول اللہ کے چچا کا پوتا، ہارون الرشید کا بیٹا ہوں اور مامون کا بھائی ہوں۔ میرا خون کرنے میں خدا سے ڈرو۔"

۱۹۸ھ (۸۱۳ء) میں قتل ہوا۔

حضرت معروف الکرخی

مشہور صوفی زاہد معروف کرخی سے حالت نزع میں کہا گیا وصیت کیجئے! کہنے لگے۔

"جب میں مر جاؤں تو میرا کرتہ بھی صدقہ کر دینا۔ میں چاہتا ہوں دنیا سے اسی طرح جاؤں جس طرح آیا تھا۔" ۲۰۰ھ (۸۱۵ء) میں وفات پائی۔

حضرت بشر بن المنصور

وفات کے وقت بہت خوش تھے۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا۔ "آپ موت پر خوش ہوتے ہیں۔"

کہنے لگے۔ "کیا تمہارے خیال میں خالق کے حضور جانا جس سے مجھے بڑی ہی امید ہے